دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا بہترین موقع

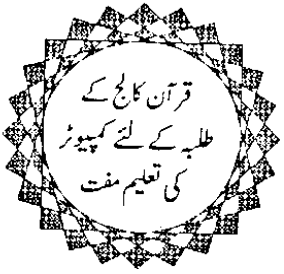


# اعلان داخلہ

## ایف۔اے (دو سالہ کورس)

☆ قرآن کالج میں ایف۔اے دو سالہ کورس میں داخلے جاری ہیں۔ لاہور بورڈ کے نصاب کے ساتھ ساتھ ایک معین دینی نصاب کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ داخلے کے خواہش مند حضرات تفصیلات کے لئے پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس حاصل کریں۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۱۶/ اگست ۹۴ء ہے۔

☆ داخلے کے لئے انٹرویو ۱۷/ اگست ۱۹۹۴ء کو ہوں گے۔

☆ ۲۰/ اگست ۹۴ء سے ان شاء اللہ تدریس کا آغاز ہو جائے گا۔

☆ میٹرک کے نتیجے کے منتظر طلباء بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔

---

## ایم۔اے (عربی۔معاشیات)

☆ قرآن کالج میں ایم۔اے عربی اور معاشیات میں داخلے جاری ہیں۔ داخلے کے خواہش مند حضرات تفصیلات کے لئے پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس حاصل کریں۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۱۸/ اگست ۹۴ء ہے۔ داخلے کے لئے انٹرویو ۲۰/ اگست ۹۴ء کو ہوں گے۔

☆ بی۔اے کے نتیجے کے منتظر طلباء بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔

قرآن کالج، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، فون : 5833637

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

# حکمتِ قرآن

لاہور


بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار، حافظ خالد محمود خضر

شمارہ ۸ | ربیع الاول ۱۴۱۵ھ اگست ۱۹۹۴ء | جلد ۱۳

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۸۵۶۰۰۳

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بخاری۔ شاہراہ لیاقت کراچی، فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۶۰ روپے، فی شمارہ -/۶ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حرف اول

زیر نظر شمارے میں محترم شمیم صدیقی صاحب کا ایک گرانقدر مضمون "Muslims and the Modern Age" کے عنوان سے شامل ہے۔ صدیقی صاحب "حکمت قرآن" کے مستقل قارئین میں سے ہیں اور ان کا شمار تحریکی ذہن رکھنے والے ہمارے ان بزرگ کرم فرماؤں میں ہوتا ہے جو عرصہ دراز سے امریکہ میں مقیم ہیں اور ملت اسلامیہ کے مسائل اور مستقبل کے بارے میں غور و فکر ہی نہیں کرتے احیائے اسلام کے لئے مقدور بھر عملی کاوش بھی مصروف و منہمک رہتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں انہوں نے دور حاضر میں مسلمانوں کی عمومی صورت حال کے بارے میں ایک فکر انگیز تجزیہ بھی پیش کیا ہے اور آئندہ کے لئے ایک عملی لائحہ عمل بھی سامنے رکھا ہے اور علمی اور نظریاتی میدان میں کام کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ہم ان سے اس اعتبار سے متفق ہیں کہ ملت کا درد رکھنے والے ان مسلمانوں کو جو مغرب میں مقیم ہیں' احیائے اسلام کے لئے جن خطوط پر کام کرنا چاہئے اس کی انہوں نے اچھے انداز میں نشاندہی کی ہے۔ اس لئے کہ وہاں رہتے ہوئے نظریاتی سطح پر جہاد ہی ممکن ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کے پاس ایک بہترین ہتھیار اور آلہ' قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے۔ مکی دور میں آنحضور ﷺ کو اسی شمشیر قرآنی کے ذریعے جہاد کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی۔ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ کے یہ الفاظ ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں: "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا"۔

عالمی غلبہ اسلام کے لئے علمی اور نظریاتی سطح پر جہاد اور اس کے ذریعے ایمان کی تخم ریزی اور آبیاری کا کام ناگزیر ہے۔ اس بات کو محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ' کرنے کا اصل کام" میں جسے مرکزی انجمن خدام القرآن کے اساسی کتابچوں میں شمار کیا جاتا ہے نہایت مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مسلم ممالک' میں مقیم مسلمانوں کی اولین ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک میں دین کے غلبے اور اقامت کی سرتوڑ کوششیں کریں' تاہم اس انقلابی جدوجہد کا بھی اولین مرحلہ نظریاتی جہاد سے عبارت ہے۔ گویا قرآنی شمشیر کو ہاتھ میں لے کر نظریاتی اور علمی سطح پر جہاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اسی کے لئے مرکزی انجمن خدام القرآن سرگرم عمل ہے۔ ○○

مطالعۂ قرآن حکیم
ڈاکٹر اسرار احمد

# سُوْرَۃُ ھُوْد

## آیات ۱۰۰ ــ ۱۰۵

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّہٗ عَلَیْکَ مِنْھَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ ○
وَمَا ظَلَمْنٰھُمْ وَلٰکِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْھُمْ اٰلِھَتُھُمُ الَّتِیْ
یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّکَ ط وَمَا زَادُوْھُمْ غَیْرَ
تَتْبِیْبٍ ○ وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ط
اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ
الْاٰخِرَۃِ ط ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّہُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ ○ وَمَا
نُؤَخِّرُہٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ○ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ج
فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ○

"یہ بستیوں کی سرگزشتوں میں سے چند ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں' ان میں سے بعض (تاحال) قائم ہیں اور بعض کی فصل (کبھی کی) کٹ چکی! اور ہم نے ان پر (ہرگز) ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم ڈھایا تو جب تیرے رب کا حکم (عذاب) آپہنچا تو ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے ان کے وہ (مزعومہ) معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ اور ایسے ہی ہوتی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظلم پر کاربند ہوتی ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ نہایت دردناک بھی ہے اور حد درجہ سخت بھی۔

بے شک اس میں اس انسان کے لیے بڑی نشانی ہے جو عذابِ آخرت کا خوف رکھتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام انسان جمع کیے جائیں گے اور وہ (سب کی) حاضری کا دن ہوگا۔ اور ہم اسے ٹال نہیں رہے مگر (صرف) ایک گنی چنی مدت کے لیے جب دن وہ آ دھمکے گا تو کسی جان کو اس کے اذن کے بغیر بولنے کا یارا نہ ہوگا۔ پس ان میں سے کچھ نیک بخت ہوں گے اور کچھ بدبخت!"

قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ، قومِ لوطؑ، قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون پر رسولوں کی دعوت پر لبیک نہ کہنے بلکہ اعراض و انکار اور کفر و تکذیب کی روش پر جم جانے کے باعث جو عذابِ استیصال نازل ہوا اس کے تذکرے کے بعد اب ایک نہایت جامع تبصرہ آیاتِ زیرِ درس میں ہو رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ: یعنی "اے نبی! نسلِ آدم کی تاریخ کے دوران جن بستیوں پر ان کے رہنے والوں کے کفر پر اصرار کے باعث عذابِ ہلاکت نازل ہوا اُن میں سے صرف چند کے حالات ہیں جو ہم آپ کو سُنا رہے ہیں' ان بستیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو بالکل ملیامیٹ ہوگئیں اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ جیسے کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر آتا ہے کہ "كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ" یعنی "جیسے کہ کل وہاں کچھ بھا ہی نہیں!" (یونس: ۲۴) یا جیسے "كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا" یعنی "جیسے کہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے!" (الاعراف ۹۲، ہود: ۶۸، ۹۵) یا جیسے "لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ" یعنی "صرف مسکن رہ گئے' ان میں سکونت رکھنے والوں کا نام و نشان تک مٹ گیا" (الاحقاف: ۲۵)۔ اور بعض ان میں سے تاحال قائم ہیں۔ یہ معاملہ ہے مصر کا کہ آلِ فرعون پر عذاب ان کی بستیوں میں نہیں آیا بلکہ مشیتِ الٰہی نے انہیں ان کی بستیوں سے نکالا اور سمندر میں غرق کر دیا۔ چنانچہ قوم تو ہلاک ہوگئی لیکن ان کی بستیاں جوں کی توں قائم رہ گئیں۔

اس کے بعد فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی ہم نے ان پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں کی، وہ خود ہی ہمارے قانونِ مجازات کی زد میں آ گئے۔ گویا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل و شعور کی استعدادات ان کو عطا فرمائی تھیں ان کو بے کار کر کے رکھ چھوڑا اور اندھے بہرے ہو کر شہوات و خواہشات کی پیروی میں لگ گئے۔

• فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی جب

ان کی اس شامتِ اعمال کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو ان کے وہ نام نہاد دلوی دلوتا ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کا حقیقی وجود تو کوئی تھا ہی نہیں، وہ تو سرتا سر اُن کے اپنے ذہن کے تراشیدہ اور وہم کی پیداوار تھے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم سے "می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر"۔ "وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ" یعنی انہوں نے اُن کے حق میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا سوائے تباہی و بربادی کے۔ اس لیے کہ وہ اپنے ان ہی جھوٹے ذہنی سہاروں کے باعث اپنی غلط کاریوں اور کج رولیوں میں جری ہوتے چلے گئے تھے۔ اگر یہ غلط سہارا نہ ہوتا تو ممکن ہے کبھی حقیقت ان پر منکشف ہو ہی جاتی اور ان کے قدم راستی کی جانب اٹھ ہی جاتے۔ مذکورہ معذّب اقوام میں سے صرف قومِ نوحؑ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بُت بعض فوت شدہ بزرگوں کے نام پر بنائے گئے تھے۔ گویا ان کا طرزِ عمل وہی تھا جو بعد میں پوری شدّت کے ساتھ نصاریٰ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت مسیحؑ ہی کو معبود بنا لیا۔ ان کے معاملے میں "وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ" کا یہ اضافی مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ محاسبۂ اُخروی کے وقت اللہ کے ان پیغمبروں اور اولیاء کی اپنے نام نہاد پرستاروں سے بیزاری و برأت ان کی ذلت و خواری میں مزید اضافے کا سبب بنے گی۔ عین ممکن ہے کہ بعض دوسری اقوام کے مزعومہ معبودوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو۔ واللہ اعلم!

آگے ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ" یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک کے مصداق "اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ" یعنی "اصل نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کے احوال سے سبق حاصل کرے"! ان حالات و واقعات میں بڑا سبق ہے اور بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو کسی بھی درجے میں عذابِ اُخروی کا خوف رکھتا ہو۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم کے بے شمار مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر اصل چھاپ ایمان بالآخرت ہی کی پڑتی ہے۔ اگر انسان کو سرے سے آخرت کا یقین ہی نہ ہو یا اُس کا اقرار تو ہو لیکن کسی دوسرے غلط عقیدے، جیسے شفاعتِ باطلہ کی امیدِ موہوم کے باعث سزا اور عقوبت کا خوف بالکل زائل ہو جائے، تو ایسے شخص کا راہِ ہدایت پر آنا محال ہے۔ اس کے برعکس اگر عذابِ اُخروی کا خوف کسی درجے میں بھی برقرار ہو تو جلد یا بدیر ہدایت

نصیب ہو جانے کا امکان بھی برقرار رہتا ہے۔

آگے قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا: "ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ" یعنی "وہ دن ایسا ہوگا کہ اس میں پوری نوع انسانی جمع کی جائے گی اور وہ دن ہوگا حاضری اور پیشی کا"۔ یہ بالکل وہی اسلوب بیان ہے جو سورۃ التغابن میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے کہ "يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ" یعنی "یاد کرو اس دن کو جس دن کہ وہ تم سب کو جمع کرے گا جمع کرنے کے دن۔ وہی دن ہوگا ہار اور جیت اور سود و زیاں کے اصل فیصلے کا"۔ اس دن تمام انبیاء و رسل اور کل داعیانِ حق بھی موجود ہوں گے اور گواہیاں دیں گے بلفوائے الفاظِ قرآنی "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْدًا"۔ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی ہوں گے اور "شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" کی حیثیت سے پیش ہوں گے اور کافر و مشرک بھی موجود ہوں گے جن کے خلاف داعیانِ حق ہی نہیں خود ان کے اپنے ہاتھ پیر اور اعضاء و جوارح بھی گواہیاں دیں گے۔

آگے فرمایا: "وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ" یعنی وہ وقت اگر فوراً نہیں آ رہا تو اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ وہ ابھی اتنی دور ہے کہ فوری طور پر اپنے عیش کو منغض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تاخیر و تعویق بس ایک گنی چنی مدت کے لیے ہی ہے۔ یہ الفاظِ مبارکہ ہرگز کسی مبالغے پر مبنی نہیں ہیں بلکہ عین حق ہیں اس لیے کہ ایک تو بندوں کا حساب اور ہے اور اللہ کا حساب اور۔ اس کی تقویم کا ایک دن انسانوں کے حساب کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے علمِ ازلی میں ہر شئی بآنِ واحد موجود ہے۔ جیسے سورۃ المعارج میں فرمایا کہ "إِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا"۔ "یہ لوگ اُسے دُور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بالکل سامنے دیکھ رہے ہیں" اور تیسرے یہ کہ تمام انسانوں کی اجتماعی قیامت چاہے ابھی کچھ دور ہی ہو ہر انسان کی انفرادی قیامت یعنی موت تو ہر دم اُس کے سر پر منڈلا ہی رہی ہے۔ جیسے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی جس شخص کی موت آگئی اس کی قیامت تو قائم ہو ہی گئی!"

آخر میں فرمایا: "يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ"۔ یعنی "جس دن وہ وقت آن پہنچے گا تو کوئی ذی نفس کلام تک نہ کر سکے گا سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ اجازت

مرحمت فرمائیں"۔ اس میں قطعی نفی ہوگئی مشرکین کے تصورات کی جو وہ بالخصوص شفاعتِ باطلہ کے ضمن میں رکھتے ہیں، یعنی یہ کہ ان کے مزعومہ معبود اللہ کے یہاں ان کے سفارشی بنیں گے۔ بمصداقِ الفاظِ قرآنی : " هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ " (یونس: ۱۸) یعنی " ہمارے یہ معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے "۔ وہاں تو صورت یہ پیش آئے گی کہ : " يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا " یعنی وہاں اول تو بغیر اذنِ رب کوئی بول ہی نہیں سکے گا اور جب بولے گا تو سوائے حق اور صحیح بات کے اور کچھ زبان سے نہ نکال سکے گا!۔ نتیجۃً نوعِ انسانی دو گروہوں میں منقسم ہو جائے گی، ایک گروہ نیک بختوں پر مشتمل ہوگا دوسرا بدبختوں پر۔ ان کے انجام کی تفصیل آگے آئے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔


حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف **وحدتِ اُمّت** میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا سید انور شاہ کاشمیری

کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے

تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شایان طور پر شائع کیا ہے۔

بڑے سائز کے ۵۲ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ : ۶ روپے ○ علاوہ محصول ڈاک

**بحث و نظر**

# "اَلاَصْلُ فِی الاَشْیَاءِ الاِبَاحَۃ"

نور احمد شاہتاز' لیکچرر جامعہ کراچی

حکمت قرآن کے شمارہ دسمبر ۹۳ء میں جناب محمد یونس جنجوعہ صاحب کا مضمون "ان البدعۃ تھدی الی المعصیۃ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مضمون کا عنوان' مضمون میں شامل بعض تعریفات و اصطلاحات کی تشریح' مفروضات' اور ان مفروضوں پر قائم کردہ نتائج' مسلّمہ اصولوں کے خلاف ہیں۔ اس لئے فاضل مضمون نگار کے مکمل احترام کے ساتھ چند معروضات پیش خدمت ہیں' جن کی اشاعت سے مضمون کے مطالعہ سے پیدا ہونے والے بعض شکوک و شبہات کا ازالہ مقصود ہے۔ فاضل مضمون نگار نے بدعت کی جو تعریف بیان فرمائی ہے وہ کچھ اس طرح ہے :

"دین اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ کام بدعت کہلاتا ہے جو بظاہر کتنا ہی اچھا دکھائی دیتا ہو مگر نہ تو اس کا وجود عہد رسالت مآب ﷺ میں اور نہ ہی خلافت راشدہ میں ملتا ہو' بلکہ وہ سراسر بعد کی ایجاد ہو"

بدعت کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں :

"بدعت کے لغوی معنی نئی اور انوکھی چیز کے ہیں۔"

ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا اگر فاضل مضمون نگار بدعت کی تعریف اور لغوی معانی بیان کرتے ہوئے دیانت داری سے کام لیتے اور بدعت کے وہ تمام معروف معانی و مسلّمہ تعاریف ذکر کر دیتے جو اہل لغت اور علماء متقدمین نے بیان کی ہیں' لیکن افسوس کہ فاضل مضمون نگار نے صرف بدعتِ مطلقہ کے معنی و تعریف بیان کر کے ابہام پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور عام قاری کے ذہن پر بدعت کا ایسا مفہوم مرتسم کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصالح مرسلہ' مستحبات اور مندوبات بھی قابل نفرت و مکروہ محسوس ہونے لگیں۔(۱)

مشہور لغوی عالم علامہ شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) نے "کتاب التعریفات"

میں بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

"البدعة هی الفعلة المخالفة للسنة"

یعنی بدعت وہ کام ہے جو خلافِ سنت ہو۔

علامہ ابن منظور افریقی نے "لسان العرب" میں بدعت کے معنی بیان کرتے ہوئے طویل اقتباس نقل کیا ہے اور حدیث "کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ" ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو یہ ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے تو اس نئے کام سے مراد وہ کام ہے جو خلافِ اصولِ شریعت ہو اور سنت کے موافق نہ ہو۔ ان کے الفاظ ہیں :

"یحمل الحدیث الاخر ((کل محدثةٍ بدعةٌ)) انما یرید ما خالف اصول الشریعة ولم یوافق السنة"(۳)

علامہ ابن منظور نے ابن رشید جزری (متوفی ۶۰۶ھ) کا بدعت کے بارے میں مندرجہ ذیل اقتباس "النہایہ" سے نقل کیا ہے جو بدعت کی تعریف کے سلسلہ میں جامع و مانع ہے۔ فرماتے ہیں :

"البدعة بدعتان' بدعة هدی وبدعة ضلال' فما کان فی خلاف ما امر الله به ورسوله صلی الله علیه وسلم فهو فی حیز الذم والانکار' وما کان واقعًا تحت عموم ما ندب الله الیه وحض علیه الله اورسوله فهو فی حیز المدح' ومالم یکن له مثال موجود کنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف فهو من الافعال المحمودة' ولا یجوزان یکون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع به لان النبی ﷺ قد جعل له فی ذلک ثوابا' فقال : ((مَن سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کان لهٗ اَجْرُها واجرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا)) وقال فی ضده : ((وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً کَانَ عَلَیهِ وِزْرُها وَوِزْرُ مَن عَمِلَ بِهَا))۔ وذلک اذا کان فی خلاف ما امر الله به ورسوله ﷺ "(۴)

یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں' بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی

ایسے عام حکم کے ذیل سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس حکم پر ابھارا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے۔ اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو' جیسے سخاوت کی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "جس شخص نے کسی اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس اچھے کام کو اپنائیں گے (اس پر عمل کریں گے) ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا' اور جو کوئی برے کام کی ابتداء کرے اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو لوگ اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا"۔ اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو"

اہلِ لغت کی بیان کردہ مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ بدعت کی یہ تعریف جو فاضل مضمون نگار نے کی ہے کہ ہر وہ کام جو بظاہر کتنا ہی اچھا دکھائی دیتا ہو مگر نہ تو اس کا وجود عہدِ رسالت میں اور نہ ہی خلافت راشدہ میں ملتا ہو' درست نہیں۔ بلکہ بدعتِ مطلقہ کی تعریف یہ ہو گی کہ :

"ہر وہ نیا کام جو خلافِ اصول شریعت ہو اور موافقِ سنت نہ ہو بدعت کہلائے گا۔"

اس کی مزید وضاحت و تائید اہل علم کے دیگر اقوال و آراء سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) مجمع بحار الانوار میں بدعت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں :

"بدعت کی دو قسمیں ہیں' ایک بدعتِ حسنہ اور دوسری بدعتِ سیئہ۔"(۵)

علامہ نووی شارح صحیح مسلم' تہذیب الاسماء واللغات میں بدعت پر نہایت محققانہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"البدعة بكسر الباء في الشرع هي احداث مالم يكن في عهد رسول الله ﷺ وهي منقسمة الى حسنة وقبيحة۔ قال الشيخ الامام المجمع على امامته وجلالته وتمكنه في انواع العلوم وبراعته ابو محمد عبدالعزيز بن عبدالسلام رحمه الله ورضي الله عنه في آخر كتاب

القواعد : البدعة منقسمة الى واجبة' ومحرمة' ومندوبة' ومكروهة' ومباحة' قال : والطريق فى ذلك ان تعرض البدعة على قواعد الشريعة' فان دخلت فى قواعد الايجاب فهى واجبة' او فى قواعد التحريم فمحرمة' اوالندب فمندوبة' او المكروه فمكروهة' اوالمباح فمباحة- وللبدع الواجب امثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذى يفهم به كلام الله تعالى وكلام الرسول ﷺ وذلك واجب' لان حفظ الشريعة واجب ولايتاتى حفظها الابذلك ومالم يتم الواجب الابه فهو واجب' الثانى حفظ غريب الكتاب والسنة من اللغة' الثالث تدوين اصول الدين واصول الفقه' الرابع الكلام فى الجرح والتعديل و تمييزالصحيح من السقيم' وقد دلت قواعد الشريعة على ان حفظ الشريعة فرض كفاية فيما زاد على المتعين ولايتاتى ذلك الابما ذكرناه' وللبدع المحرمة امثلة منها مذاهب القدرية والجبرية والمرجئة والمجسمة والرد على هئولاء من البدع الواجبة- وللبدع المندوبة امثلة منها احداث الربط والمدارس وكل احسان لم يعهد فى العصر الاول' ومنها التراويح والكلام فى حقائق التصوف وفى الجدل' ومنها جمع المحافل للاستدلال ان قصد بذلك وجه الله تعالى- وللبدع المكروهة امثلة كزخرفة المساجد وتزويق المصاحف- وللبدع المباحة امثلة منها المصافحة عقب الصبح والعصر ومنها التوسع فى اللذيذ من المآكل والمشارب والملابس والمساكن ولبس الطيالسة وتوسيع الاكمام' وقد يختلف فى بعض ذلك فيجعله بعض العلماء من البدع المكروهة

ویجعله آخرون من السنن المفعولة فی عهد رسول الله ﷺ فما بعده' وذلك کالاستعاذة فی الصلاة والبسملة۔ هذا آخر کلامه' وروی البیهقی باسناده فی مناقب الشافعی عن الشافعی رضی الله عنه قال: المحدثات من الامور ضربان' احدهما ما احدث مما یخالف کتابًا او سنة او اثرًا' او اجماعًا فهذه البدعة الضلالة' والثانیة ما احدث من الخیر لاخلاف فیه لواحد من العلماء وهذه محدثة غیر مذمومة' وقد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام شهر رمضان: نعمة البدعة هذه' یعنی انها محدثة لم تکره واذا کانت لیس فیها رد لما مضی۔ هذا آخر کلام الشافعی رضی الله تعالی عنه"(۶)

(ترجمہ) "بدعت' ب کے زیر سے' بدعت کا شرعی معنی ہے وہ نیا کام جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہ ہوا ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: حَسَنہ اور قبیحہ (سیئہ)۔ شیخ امام محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں اور جن کی جلالت اور امامت پر تمام کا اتفاق ہے' انہوں نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا: بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: واجب' حرام' مستحب' مکروہ اور مباح۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے۔ اگر وہ بدعت قواعدِ ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے' اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے' اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے' اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ ہے' اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔

بدعاتِ واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علمِ نحو کا پڑھانا جس پر قرآن و حدیث کا سمجھنا موقوف ہے۔ یہ اس لئے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ بدعت واجبہ کی دوسری مثال قرآن و حدیث کے معانی جاننے کے لئے علمِ لغت کا حاصل کرنا' تیسری مثال دین کے قواعد اور

اصول فقہ کو مرتب کرنا' چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح و تعدیل کا علم حاصل کرنا' تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے۔ اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکورۃ الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ بدعاتِ محرمہ کی بعض مثالیں قدریہ' جبریہ' مرجئہ اور مجسمہ کے نظریات ہیں' جبکہ ان لوگوں پر رد کرنا(۷) بدعاتِ واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔۔۔۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں : سرائے اور مدارس بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور رفاہی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا' جیسے پورے رمضان میں جماعت تراویح' تصوف کی دقیق بحثیں اور بدعقیدہ فرقوں سے مناظرے اور اس مقصد کے لئے جلسوں کا اہتمام' بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔۔۔۔ بدعات مکروہ کی بعض مثالیں یہ ہیں : مساجد کی زیب و زینت(۸) اور مصحفِ قرآن کو مزین کرنا(۹)۔۔۔۔ بدعاتِ مباحہ کی مثالیں یہ ہیں : صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا' کھانے پینے' پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت کو اختیار کرنا' سبز چادریں اوڑھنا' کھلی آستینوں کی قمیض پہننا۔ بعض امور اختلافی ہیں' بعض علماء نے ان امور کو بدعات مکروہ میں شمار کیا ہے جبکہ بعض نے ان کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ کی سنتوں میں داخل کیا ہے' جیسے نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے میں سنت ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف ہے۔ یہاں تک امام عبدالعزیز بن عبدالسلام کی گفتگو ہے۔

اس کے بعد امام نووی فرماتے ہیں : امام بیہقی نے مناقب شافعی میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کتاب' سنت اثر یا اجماع کے خلاف ہو' یہ بدعتِ سیئہ ہے۔ دوسری قسم وہ نئے کام ہیں جن میں خیر ہو' ان میں کسی عالم کا اختلاف نہیں اور یہ بدعت غیر مذموم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں جماعت تراویح قائم کر کے فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ وہ اچھا کام ہے جو پہلے نہیں تھا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف نہیں (اس لئے اچھا ہے)۔ یہ امام شافعی کی مکمل عبارت ہے۔"

قارئین محترم! یہ تو بدعت کی وہ تعریف ہے جو اہل علم نے بیان کی اور اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ ہر بدعت قابل نفرت عمل نہیں' جبکہ فاضل مضمون نگار (جناب جنجوعہ

صاحب) فرماتے ہیں کہ :

"بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دین میں اچھے کام جو بعد میں شروع ہوں وہ تو بدعت نہیں کہلاتے حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ بدعات کہتے ہی ان امور کو ہیں جو اچھے سمجھ کر دین میں داخل کیے جائیں۔"(۱۰)

نیز اسی صفحہ کے ایک اور پیراگراف میں بدعت کے بارے میں وہ رقمطراز ہیں :

"پس معلوم ہوا کہ بدعت دین میں اس اضافی کام کو کہتے ہیں جسے رضائے الٰہی یعنی ثواب کی امید پر کیا جائے۔ مگر اس خوش نما کام کی انجام دہی کا طریقہ لوگوں کا خود ساختہ ہوتا ہے' لہٰذا نتائج کے اعتبار سے وہ کام ناقص ٹھہرتا ہے۔"

فاضل مضمون نگار کی مندرجہ بالا رائے کے سلسلہ میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جن علماء دین نے قواعد اور اصول فقہ مرتب کیے' یا سند حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد کیا' تاکہ صحیح و ضعیف حدیث میں تمیز ہو سکے' یا علم نحو کے قواعد مرتب کیے یا انہیں سہل بنانے کی کوشش کی' تاکہ دین کو سمجھنا آسان ہو سکے' یا جن علماء نے باطل نظریات کا رد کرنے کے لئے کتابیں لکھیں' ان سب کا یہ کام موصوف کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیونکہ یہ سارا کام عہد رسالت و خلافتِ راشدہ کے بعد کا ہے اور اچھا سمجھ کر کیا گیا ہے' نیز ثواب کی امید پر کیا گیا ہے اور اپنے خود ساختہ طریقہ سے کیا گیا ہے۔ تو کیا اس سارے کام کو نہایت قابل نفرت قرار دے دیا جائے؟ ---- دین سے ایک معمولی اُنس رکھنے والا شخص بھی ظاہر ہے اس سارے کام کو قابل نفرت نہیں کہہ سکتا' بلکہ دین کا ادنیٰ سا طالب علم بھی علماء متقدمین کے ان علمی کارناموں کی تحسین کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ لیکن سوچئے اس سارے کام پر اگر بدعت کا لیبل چپکا کر اسے بدعت کی اس تعریف کے تابع کر دیا جائے جو مضمون نگار کا موضوع سخن ہے تو پھر دین کا کیا حلیہ بنے گا؟

علاوہ ازیں موجودہ دور میں وعظ و تذکیر کی محافل کے جو نئے انداز اختیار کیے گئے ہیں اور جن کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں کیا ان سب کو اسی طرح کی بدعت قرار دے کر بند کر دیا جائے جو "نہایت قابل نفرت ہے"۔ مثال کے طور پر بعض مساجد میں رمضان المبارک میں نماز تراویح میں یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد ان رکعات میں

تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ و تشریح بیان کیا جائے۔ یہ کام عہد رسالت و خلافت راشدہ میں اس طرز پر اس اہتمام کے ساتھ نہیں ہوا' لیکن یہ موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت ہے تاکہ لوگ قرآن سے حقیقی استفادہ کر سکیں اور ان کا تعلق بالقرآن پختہ ہو۔ اب اگر اس عمل کو فاضل مضمون نگار کی نظر سے دیکھا جائے اور ان کی بیان کردہ بدعت کی تعریف کے مطابق اسے پرکھا جائے تو یقیناً یہ اسی طرح کی بدعت ہے جس کے بارے میں موصوف کا کہنا ہے کہ بدعت نہایت قابل نفرت ہے' لیکن اگر اسے بدعت کی اس تعریف پر جانچا جائے جو علماء متقدمین نے بیان کی ہے تو یہ امر' امرِ مستحسن ہے بلکہ فی زمانہ ضرورت کے لحاظ سے واجب کے درجہ میں نظر آئے گا۔

صرف یہی نہیں' اور بھی بہت سے امور جو بدعاتِ حسنہ ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ "ہر بدعت ایک سا حکم رکھتی ہے" یا "بدعت کتنی بھی خوشنما ہو وہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتی" یا "کسی امرِ بدعت کو جو فی نفسہٖ مستحسن ہے قبول کر لینے کا مطلب دین میں نقص تعلیم کرتے ہوئے اس نقص کی تلافی کی خاطر بدعت کو قبول کرنا ٹھہرے گا" تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ فکر صحیح نہیں' بلکہ یہ غلط مفروضوں سے اخذ کردہ غلط نتائج کا نتیجہ ہے۔

اجازت دیں تو افادۂ عام کی غرض سے یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ علماء متقدمین نے تو بدعت کی بہت سی قسمیں (دو حسنہ و سیئہ سے بھی زاید) گنوائی ہیں جیسا کہ اوپر بیان کردہ علامہ نووی کے اقتباس سے ظاہر ہے۔ اور یہ صرف امام نووی ہی نہیں کہ جنہوں نے علامہ عبدالعزیز بن عبدالسلام کے حوالہ سے یہ بات کہی ہو بلکہ ملا علی قاری' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' علامہ ابن عابدین شامی' علامہ محمود آلوسی' علامہ ابن حجر مکی' علامہ دشتانی مالکی' علامہ سنوسی مالکی' جناب قاضی عیاض' علامہ جلال الدین سیوطی' مولانا شبیر احمد عثمانی' علامہ وحید الزمان خاں وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسے معروف اہل علم نے ہر دور میں بدعت کی بہت سی اقسام کو تسلیم کیا ہے۔(۱۱) مشہور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں :

"اما البدعة اللغوية فهى تنقسم الى مباحة ومكروهة

وحسنة وسيئة' قال الشيخ ولى الله من اصحابنا : من البدعة بدعة حسنة كالاخذ بالنواجذ لما حث عليه النبى ﷺ من غير عزم"(۱۲)

یعنی بدعت کی باعتبار لغت حسب ذیل اقسام ہیں : بدعت مباحہ' بدعت مکروہہ' بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ ہمارے اصحاب میں سے شیخ ولی اللہ نے کہا کہ بدعات میں سے بدعت حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہئے' کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو واجب کئے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

جناب صدیق حسن خان بھوپالی جیسے معروف غیر مقلد عالم نے بھی کہا ہے کہ :

"بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلے میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔"(۱۳)

بدعت کی تعریف و تقسیم کے سلسلہ میں ہم نے صرف چند چیدہ چیدہ بزرگوں کے اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر متقدمین و متاخرین کے تمام اقوال جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ان اقوال کے پیش کرنے کا مقصد صرف اس ابہام کو دور کرنا ہے جو بدعت کے سلسلہ میں جناب محمد یونس جنجوعہ صاحب کے مضمون (شائع شدہ حکمت قرآن شمارہ دسمبر ۹۳ء) کی وجہ سے پیدا ہوا۔ چونکہ خدشہ تھا کہ موصوف کی بیان کردہ بدعت کی تعریف و تشریح سے ایک عام قاری ہر امر مستحسن کو بدعتِ سیئہ یا بدعتِ مطلقہ کا درجہ دے کر ان تمام مستحسن امور سے نفرت کرنے لگے گا جو زمانہ رسالت و خلافتِ راشدہ کے بعد ظاہر ہوئے اس لئے یہ وضاحتی تحریر موزوں کرنا ضروری ہوا۔

آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کی توفیق مرحمت فرمائے اور بدعاتِ سیئہ سے مجتنب رہتے ہوئے بدعاتِ حسنہ مباحہ کی برکات سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ (آمین)

## حواشی

۱۔ فاضل مضمون نگار نے مضمون کے پیراگراف ۲ کا آغاز اس طرح کیا ہے : "دین اسلام میں بدعت انتہائی قابل نفرت چیز ہے۔"

۲۔ سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ)' کتاب التعریفات' ص ۱۶' مطبوعہ مصر' ۱۳۰۶ھ
۳۔ ابن منظور افریقی' لسان العرب' جلد ۸ ص ۶' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران' (۱۴۰۵ھ)
۴۔ علامہ ابن اثیر جزری' مجد الدین (متوفی ۶۰۶ھ)' النہایہ جلد ۱ ص ۱۰۶' مطبوعہ مؤسسہ اسماعیلیان قم ایران
۵۔ علامہ محمد طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ)' مجمع بحار الانوار' جلد ۱ ص ۸۰' مطبوعہ نو لکشور انڈیا۔
۶۔ ابو زکریا محی الدین بن شرف نووی (متوفی ۶۷۶ھ) تہذیب الاسماء واللغات' جلد ۱ ص ۲۲' ۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔
۷۔ (آج کے دور میں پرویزی' چکڑالوی' بہائی' مرزائی' رافضی' اسماعیلی' قادیانی نظریات کا رد)۔
۸۔ متاخرین فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔
۹۔ یہ بھی علماء متاخرین کے ہاں جائز ہے۔
۱۰۔ پیراگراف اصفحہ ۱۲' حکمت قرآن دسمبر ۹۳ء
۱۱۔ ملاحظہ کیجئے :-
(۱) ملا علی قاری' متوفی (۱۰۱۴ھ) مرقات' جلد ۱ ص ۲۱۶' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی' اشعۃ اللمعات' جلد ۱ ص ۱۲۵' مطبوعہ نو لکشور انڈیا۔
(۳) علامہ ابن عابدین شامی' رد المحتار' جلد ۱ ص ۵۲۳ھ' مطبوعہ مطبع عثمانیہ' ترکی۔
(۴) علامہ سید محمد آلوسی' روح المعانی' جزء ۷ ص ۱۹۲' دار احیاء التراث العربی۔
(۵) علامہ ابن حجر مکی' فتاوی حدیثیہ' ص ۱۳۰' مطبوعہ مصر۔
(۶) علامہ دشتانی مالکی' اکمال اکمال المعلم' جلد ۳' ص ۲۳' دار الکتب العلمیہ بیروت۔
(۷) علامہ عبد اللہ سنوسی' مکمل اکمال المعلم' جلد ۳ ص ۲۳' دار الکتب العلمیہ بیروت۔
(۸) جلال الدین سیوطی' الحاوی للفتاوی' جلد ۱' ص ۱۹۲' فیصل آباد۔
(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی' فتح الملہم' ص ۴۰۶' جلد ۲۔
۱۲۔ وحید الزمان' (متوفی ۱۳۲۸ھ) ہدیۃ المہدی' ص ۱۱۷' مطبوعہ دہلی ۱۳۲۵ھ
۱۳۔ ایضاً

سیرت و سوانح

# حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۳)

—— عبدالرشید عراقی ——

## برِعظیم کا سیاسی انتشار اور آپؒ کا مجاہدانہ کردار

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی پیدائش ۱۱۱۴ء میں ہوئی اور سلطان اورنگزیب عالمگیر کا انتقال ۱۱۱۸ء میں ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر اُس وقت ۴ سال کی تھی۔ اورنگزیب عالمگیر کے جانشین بہت کمزور ثابت ہوئے جس کی وجہ سے پورے برعظیم میں سیاسی انتشار نے جنم لیا اور پورا برعظیم انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی' بدنظمی و طوائف الملوکی اور انتشار و اضطراب کے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں تین جنگجو طاقتوں نے ملک میں انتشار و اضطراب کی فضا پیدا کی' اور یہ تین طاقتیں یہ تھیں:

(۱) مرہٹے (۲) سکھ (۳) جاٹ

مرہٹے : مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن تک محدود تھیں اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی حکومت کے خلاف ایک احتجاجی گروہ اور چھاپہ مار طاقت سے زیادہ نہ تھی' مرکزی حکومت کی روز افزوں کمزوری' طالع آزما سرداروں کی باہمی زور آزمائی اور امراء سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے ایک ایسی ملک گیر طاقت بن گئے جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پُر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلوں کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی انتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔ مرہٹوں کی روز بروز کی شرارت رنگ لائی اور ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء / ۶ جمادی الاخریٰ ۱۱۷۴ھ کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجوں' نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس طرح مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی

طرح اڑ گئی۔

سکھ : سکھ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا جس کی بنیاد ۱۵ ویں صدی عیسوی میں بابا گرونانک (۱۴۶۹ء۔۱۵۳۹ء) کے ہاتھوں پڑی۔ وہ نفس کشی' اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے۔ باباگورونانک کی تعلیمات کو تیسرے گروامرداس نے بہت زیادہ پھیلایا۔ اس نے ہندوؤں کی اوہام پرستی خصوصاً رسم ستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کئے۔ مغل بادشاہ اکبر نے ۱۵۷۷ء میں انہیں امرتسر میں ایک قطعۂ اراضی عنایت کیا اور اسی کے زمانہ میں امرتسر میں ان کا مذہبی مرکز قائم ہوگیا۔ اس طرح سکھوں کی قومی زندگی کے لئے ایک روحانی مرکز تیار ہوگیا۔ گروارجن سکھوں کا چوتھا گرو مقرر ہوا۔ یہ گروامرداس کا بیٹا تھا۔ اس نے سکھوں کو منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا اور گرنتھ کی تدوین عمل میں لایا۔ اس کو "سچا بادشاہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب جہانگیر کے عہد میں اس کے لڑکے خسرو نے بغاوت کی تو گروارجن نے خسرو کی مالی امداد کی۔ چنانچہ جہانگیر نے اس کو پہلے قید کیا' بعد میں اسے قتل کردیا گیا۔ گروارجن کے قتل کے بعد پانچواں گرو ہرگوبند مقرر ہوا جس نے اعلانیہ مخالفت اور مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا' جس سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا۔ جہانگیر نے ہرگوبند کو گرفتار کرکے گوالیار کے قلعہ میں نظربند کردیا۔ بعد میں رہا کردیا۔ شاہ جہاں کے عہد میں اس نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اخیر میں پہاڑیوں کی طرف نکل گیا اور ۱۶۴۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

۱۶۶۴ء میں اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں ہرگوبند کا بیٹا تیغ بہادر گرو منتخب ہوا۔ یہ قانون شکنی میں بہت آگے تھا۔ آخر اس کو گرفتار کیا گیا اور ۱۶۷۵ء میں اورنگزیب کے حکم سے سزائے موت دی گئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا گوبند رائے گرو بنایا گیا۔ اس نے سکھوں کو منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ۱۷۰۸ء میں ایک افغان نے اسے زخمی کیا جس سے اس کا انتقال ہوا۔ ہرگوبند رائے کا جانشین بندہ بیراگی ہوا جس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی۔ یہ اصلاً کشمیری راجپوت تھا اور اس نے سکھ مت اختیار کرلیا تھا۔ یہ

شخص بہت مکار تھا۔ اس نے پنجاب میں وسیع پیمانہ پر رہزنی کی وارداتیں شروع کردیں۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت روبہ زوال تھی اور انتظامی ڈھانچہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لئے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ بندہ بیراگی نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ ۱۷۱۰ء میں اس نے پنجاب پر چڑھائی کردی اور قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ اور ان کے بعد فرخ سیر نے اس کے خلاف فوج کشی کی۔ بندہ بیراگی شکست کھا کر بھاگا اور پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ جب فرخ سیر کے بعد سیاسی انتشار زیادہ پھیلا تو اس نے دوبارہ پہاڑوں سے آکر دہشت گردی شروع کردی۔ بالآخر ۱۷۱۶ء میں اسے گرفتار کر کے دہلی لایا گیا اور قتل کردیا گیا۔

مغلیہ سلطنت دن بدن روبہ زوال ہو رہی تھی۔ پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے کمزور ہو گئی تھی جس کی وجہ سے سکھوں کو دوبارہ سر اٹھانے کی جرأت ہوئی' مگر احمد شاہ درّانی کے فرزند شہزادہ تیمور نے' جو پنجاب کا حاکم تھا' امرتسر پر حملہ کر کے سکھوں کو تہس نہس کردیا۔ ۱۷۵۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا تو اس نے سکھوں سے درگزر کی۔ اس پر سکھ دوبارہ نکل آئے اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرلی۔ لیکن ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ دوبارہ واپس آیا اور اس نے سکھوں کو عبرتناک شکست فاش دی۔ اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے سرہند پر ہلہ بول دیا اور اس کو ویران کردیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاہور پر بھی قبضہ کرلیا اور خالصہ حکومت کا اعلان کردیا۔ رنجیت سنگھ پنجاب کا حاکم بن گیا۔

رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں سکھوں نے مظالم کی انتہا کردی۔ انہوں نے مساجد کی بے حرمتی کی اور مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالا گیا۔ سکھ دور میں وہ صورت حال پیدا ہوئی جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اس شعر میں کی ہے۔

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

سکھوں کے مظالم کے خلاف ۱۳ویں صدی ہجری کے تقریباً وسط اور ۱۹ویں صدی عیسوی کے ثلثِ اول میں حضرت سید احمدؒ شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جو دانش گاہ ولی اللّٰہی کے تربیت یافتہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فیض یافتہ تھے' رنجیت سنگھ کی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور اس سے اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ اور مہم کا آغاز کیا جو برعظیم کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے' حکومت شرعی کے قیام' مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی۔

جاٹ : جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح مذہبی گروہ' لیکن مغل سلطنت کی کمزوری یا سیاسی انتشار اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان میں ایک جارحانہ تنظیم پیدا کر دی اور یہ ایک تخریبی گروہ بن گئے۔ ان کا مقصد قیامِ سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا' محض بگڑے ہوئے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا' استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھا۔

جاٹ زیادہ تر آگرہ اور دہلی کے جنوبی علاقہ میں آباد تھے۔ ان کی تخریبی کارروائیوں سے حکومت بہت پریشان تھی۔ آخر نجیب الدولہ نے اپنے حسن تدبیر سے جاٹوں پر فتح حاصل کی اور ان کے سردار سورج مل کو قتل کیا۔ اس کے قتل سے ان کی تخریبی کارروائیوں میں کمی ہوئی۔

## دہلی کی حالت

مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں کی تخریبی کارروائیوں سے دہلی کے باشندے جو ساری سلطنت میں نہ صرف عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ علم' زبان' تہذیب' شرافت اور عادات و اطوار سے معیار سمجھے جاتے تھے' ان حملہ آوروں سے بہت تنگ آ گئے تھے۔ علمائے کرام اور مشائخ بھی بہت حیران و پریشان تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے ایک مکتوب میں جو انہوں نے مرزا مظہر جان جاناں کے نام لکھا تھا' دہلی کے حالات سے ان کو آگاہ کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور بے اطمینانی سے تنگ آ گیا ہوں۔" (کلمات طیبات' مکتوب نمبر ۴۰)

۱۱۴۵ھ میں شاہ ولی اللہ حجاز سے دہلی پہنچے اور ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ درانی نے دہلی پر حملہ کر دیا جس نے سلطنت مغلیہ کی رہی سہی چولیں ہلا دیں اور دلی کی خاک اڑا دی۔

## حضرت شاہ صاحب کا قائدانہ اور مجاہدانہ کردار

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں کی تخریبی کارروائیوں کو مٹانے کے لئے نجیب الدولہ کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو مردم شناسی و حقیقت پسندی کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ نے اس سلسلہ میں نواب نجیب الدولہ کا انتخاب کیا۔ آپ نے نواب نجیب الدولہ کے اندر دینی حمیت کو دیکھ لیا۔ شاہ صاحب نے ان سے مراسلت شروع کی اور ان کے ذریعہ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کی دعوت دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے براہ راست بھی احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے اور نواب نجیب الدولہ سے بھی خطوط لکھوائے۔

احمد شاہ ابدالی حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی فوج نے اپنے حملوں کے دوران کوئی مفید کام انجام نہیں دیا تھا اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کی پابندی کی تھی' تاہم حضرت شاہ صاحب پُر امید تھے کہ احمد شاہ ابدالی دوبارہ ہندوستان آئے گا جیسا کہ اپنے ایک مکتوب بنام محمد عاشق پھلتی میں لکھتے ہیں :

"جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی اس ملک میں پھر آئے گا اور ان کفار کو زیر و زبر کر دے گا۔ باوجود مظالم کے جو وہ کر رہا ہے' اس کو جس لئے اب تک اللہ نے باقی رکھا ہے وہ یہی کام ہے۔" (سیاسی مکتوبات ص ۲۶۔۲۷)

اور خود حضرت شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا کہ :

"اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکرِ مخالفین کو شکست دے سکتا ہو' دور اندیش و جنگ آزما ہو' سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے۔" (سیاسی مکتوبات' ص ۲۱)

اور اسی مکتوب میں آگے لکھتے ہیں کہ :

"ہم بندگانِ الٰہی حضرت رسول ﷺ کو شفیع بناتے ہیں اور خدائے عزو جل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمتِ مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے' دنیا میں بے حساب نعمتیں ملیں اور مسلمان دستِ کفار سے خلاصی پا جائیں۔" (سیاسی مکتوبات ص ۱۲)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور نواب نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو جو خطوط لکھے ان کی تحریک پر ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ایک سال معمولی جھڑپوں میں گزر گیا۔ بالآخر ۱۱۷۴ھ / ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں' افغانوں اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا اور مرہٹوں کو ہندوستان کے سیاسی نقشہ سے باہر نکال دیا۔ مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی معرکہ میں غائب ہو گئی۔

(سیاسی مکتوبات ص ۴۵)

اس جنگ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے مغل بادشاہ شاہ عالم کو اس طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی کہ وہ ایک مستحکم حکومت قائم کریں۔ لیکن شاہ عالم میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ کوئی قدم اٹھاتے اور اس جنگ کی فتح کا فائدہ شاہ عالم کی بجائے فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :

"مرہٹوں' جاٹوں اور سکھوں کی تحریک میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ تھی کہ وہ ہندوستان کی مرکزیت و وحدت کو برقرار رکھنے کی تدبیر سوچتی۔ شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں اکبر' جہانگیر' شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت اور سلطنتِ ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن

اس طرح سے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو۔ اگر سلطنت میں تھوڑی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اُس وقت بے روح جسم کی مانند تھی۔ جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔" (سیاسی مکتوبات' ص ۴۶-۴۷)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صحیح جانشین اور غیرت و حمیتِ دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور پوتے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ و دینی مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مشن کی تکمیل کی اور اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنی جان کی بازی لگادی۔

## حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ مشاہیر کی نظر میں

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی جامع و ہمہ گیر شخصیت کے لئے ان کی بلند پایہ علمی تصانیف اور شاندار مجددانہ کارناموں کی موجودگی میں کسی دوسرے ثبوت و اعتراف کی چنداں ضرورت نہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محی السنہ مولانا نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا شبلی نعمانی کے جو تاثرات ہیں وہ پیش کر دیئے جائیں۔ حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور فرماتے ہیں :

انصاف ایں است اگر وجودِ اُو در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد' (اتحاف النبلاء)

(اگر ان کا وجود زمانہ ماضی کے عہد اول میں ہوتا تو امام الائمہ اور تاج المجتہدین شمار کئے جاتے۔)

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ :

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو

عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل ودماغ پیدا ہو گا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی' رازی' اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔" (علم الکلام)

## فرزندان گرامی قدر

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے چار صاحبزادے تھے اور یہ صاحبزادے نعم الخلف لنعم السلف تھے جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن رکھا بلکہ اس سے آگے سینکڑوں چراغ روشن ہوئے اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا رہا اور یہ سب چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے جو ۱۲ویں صدی ہجری کے وسط میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جلایا تھا۔

**حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ** : ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۶ سال کے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے انتقال کیا تو والد بزرگوار کی مسند تحدیث کے وارث ہوئے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل کی۔ ساری عمر درس و تدریس میں گزری۔ تفسیر عزیزی' بستان المحدثین' عجالۃ النافعہ اور تحفہ اثنا عشریہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

(نزہۃ الخواطر' ج ۷ ص ۲۷۶)

**حضرت رفیع الدین دہلویؒ** : حضرت شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند ہیں۔ تعلیم کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کی۔ ۲۰ سال کی عمر میں افتاء اور درس میں امتیاز و شہرت حاصل کی۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر' ج ۷ ص ۱۸۶)

**حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ** : حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تیسرے فرزند ہیں۔ جملہ علوم اسلامیہ کی تحصیل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کی۔ درس و تدریس کا سلسلہ دہلی کی مسجد اکبر آبادی میں شروع کیا اور ساری عمر مسجد کے حجرہ میں گزاری۔ آپ

کی تصانیف میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس کے ساتھ مختصر حاشیہ موضح القرآن کے نام سے لکھا۔ ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ دہلی میں انتقال کیا۔ (نزہتہ الخواطر' ج ۷ ص ۲۹۶)

**حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ** : یہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تعلیم حاصل کی۔ عمر بہت تھوڑی پائی۔ جب تک زندہ رہے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ ۱۲۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (حیات ولی' ص ۳۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادگان گرامی قدر کی ترتیبِ وفات عکسی ہے۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالغنی نے ۱۲۲۷ھ میں' پھر ان سے بڑے شاہ عبدالقادر نے ۱۲۳۰ھ میں' پھر شاہ رفیع الدین نے ۱۲۳۳ھ میں اور پھر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔

**مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ** : مولانا شاہ اسمٰعیل شہید ۱۲ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ ان اولوالعزم' عالی ہمت' ذکی' جری اور غیر معمولی افراد میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان کو حجتہ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کی معرکتہ الآراء تصنیف تقویتہ الایمان ہے' جس سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کوئی منظم حکومت مشکل سے ایسا کر پاتی۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی زندگی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے' اور ان کے بعد جو نفع ہوا اس کا تو اندازہ ہو نہیں سکتا۔ عمومی دعوت و اصلاح کے اس عظیم کام کے ساتھ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے کو پورے طور پر تیار کیا اور آخر آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی معیت میں ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کے معرکہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا۔

(تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۹۲)

# مسئلۂ سود
## اور
# غیر سودی مالیات

محمد اکرم خان

(قسط سوم)

## VII- مکانات کے لئے سرمایہ کاری

رہائشی مکان ہر انسان کی ضرورت ہے، لیکن اس کی تعمیر میں اتنا سرمایہ درکار ہوتا ہے کہ ایک انسان کے لئے اسے فراہم کرنا آسان نہیں۔ چنانچہ متوسط اور نچلے درجے کے لوگوں کو مکان کی تعمیر کے لئے مالی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل پاکستان میں اس غرض کے لئے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کام کر رہی ہے۔ جب 1980ء کے عشرہ میں ملک میں اسلامی معاشی نظام کی جدّوجہد شروع ہوئی تو اس کارپوریشن نے "کرایہ میں شرکت" کی بنیاد پر لوگوں کو سرمایہ فراہم کرنا شروع کیا۔ تقریباً 10 سال کے تجربہ سے اسے معلوم ہوا کہ اس کی اوسطاً شرح آمدن 5 فیصدی سے بھی کم ہے، جب کہ خود اسے سٹیٹ بینک سے سرمایہ 9 فیصدی شرح سود پر ملتا ہے، چنانچہ اب اس کارپوریشن نے اپنے طریق کار میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں کہ نام تو کرایہ میں شرکت ہی کا رکھا ہے لیکن عملاً جو بھی کوئی اس سے سرمایہ لیتا ہے اسے ایک مقررہ رقم زائد لوٹانا پڑتی ہے۔ اس طرح سے یہ کارپوریشن دوبارہ سود کی طرف لوٹ آئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کارپوریشن کے اربوں روپے لوگوں کے ذمہ واجب الادا ہیں، جنہیں واپس لینے کے لئے اسے بہت جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے اور اس کے اخراجات میں بھی بہت اضافہ ہو رہا ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ یہ کارپوریشن یا دیگر بینک جو اس کاروبار میں حصہ لینا چاہیں وہ بڑی بڑی ہاؤسنگ کمپنیوں سے رابطہ رکھیں۔ یہ بڑی بڑی کمپنیاں پبلک لمیٹڈ ہوں اور یہ زمین تیار کر کے اس پر مکان بنا کر فروخت کریں۔ ان میں باہمی مسابقت سے مکانات کی قیمتیں بھی متوازن رہیں گی۔ یہ کمپنیاں اقساط پر مکان فروخت کریں اور جس قدر ان کا سرمایہ اقساط میں فروخت شدہ مکانات میں لگا ہوا ہو اس کا ایک بڑا حصہ بینک یا ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن انہیں نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر دے۔ یہ کمپنیاں اس سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے مضاربہ سرٹیفکیٹ جاری کریں یا بیع بالاقساط سرٹیفکیٹ (Instalment Sales Certificates) جاری کریں۔ بینک یا دوسرے مالیاتی ادارے ان سرٹیفکیٹس کے بدلے میں سرمایہ فراہم کریں۔ چونکہ یہ بڑے ادارے ہوں گے' ان کے حسابات پیشہ ور اکاؤنٹنٹ تیار کریں گے اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ان کا آڈٹ کریں گے' لہٰذا بہت کم احتمال ہے کہ ان میں گڑبڑ ہو۔ اس طرح سے "کرایہ میں شرکت" کا فرضی افسانہ گھڑنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی اور مالیاتی ادارے کا سرمایہ بھی ضائع ہونے کا احتمال کم ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر کرنا از حد ضروری ہے کہ مکانات تعمیر کرنے والی کمپنیوں کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ نقد اور ادھار قیمتوں میں کوئی تفاوت نہ کریں' ورنہ اس کاروبار میں سود در آئے گا۔

اس سرمایہ کاری کی ایک متبادل راہ یہ ہے کہ تعمیرات والی کمپنیاں مختلف قسم کے خام مال جیسے سریا' سیمنٹ' سینٹری فٹنگ' سامان بجلی وغیرہ کے لئے ان چیزوں کی صنعتوں سے مال ادھار پر لیں اور یہ صنعتیں اس ادھار کے ایک حد تک بینکوں یا مالیاتی اداروں سے نفع و نقصان کی شرکت پر سرمایہ (Re-finance) لیں۔ اس طرح ان تعمیراتی اداروں کو مکانات کی تعمیر کے لئے بھی فنانس ملے گا اور ادھار فروخت کرنے پر بھی۔ اور یہ کاروبار ترقی پذیر ہو گا۔

## VIII- موجودہ نجی قرضے

حکومت اپنی صرفی اور پیدا آوری ضرورتوں کے لئے اپنے لوگوں سے بھی قرض لیتی ہے۔ اس کی سب سے عام مثال تو نیشنل سیونگ سکیمز اور پرائز بانڈ ہیں' لیکن بالواسطہ تو یہ قرض بینکوں اور سٹیٹ بینک سے بھی لئے جاتے ہیں۔ جون 93ء تک نجی قرضوں کا حجم 601 ارب روپے تھا۔ یہ قرضے مختلف شرح سود پر لئے گئے ہیں' البتہ یہ واضح رہے کہ نجی قرضوں پر اوسطاً شرح سود 91-1990ء میں 8.1 فیصد تھی جبکہ بیرونی قرضوں پر اوسط شرح صرف 2.84 فی صدی تھی۔ یعنی اپنے لوگ حکومت کو قرض باہر کے لوگوں کی نسبت تقریباً تین گنا شرح پر دے رہے تھے۔ ۱۸

اس سلسلے میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں :

(ا) موجودہ نجی قرضوں کا کیا جائے؟

(ب) آئندہ کے لئے حکومت اپنی ضرورتیں کیسے پوری کرے؟

بلاشبہ یہ مشکل سوالات ہیں اور ان کا حتمی حل تو عملی طور پر بتدریج ڈھونڈنا پڑے گا لیکن چند ایک تجاویز یہ ہیں:

(ا) جن لوگوں نے اپنا سرمایہ سود پر لگایا ہوا ہے وہ اس پر سود وصول کرتے رہے ہیں' لہٰذا ایک مقررہ تاریخ کے بعد اس پر سود ختم کر دیا جائے۔ البتہ اس تاریخ تک کا اصل اور سود حکومت کی ذمہ داری رہے۔ چونکہ حکومت کے لئے اتنی بڑی رقم واپس کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا حکومت اس قرضے کے بدلے اپنی کارپوریشنز' تجارتی اداروں اور املاک کے ملکیتی حصص جاری کرے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ایک فنڈ قائم کرے جس کے اثاثہ جات حکومت کے تجارتی اداروں کے اثاثہ جات پر مبنی ہوں' اور حکومت موجودہ قرض خواہوں کو اس فنڈ کے حصص جاری کر دے۔ یہ حصص بتدریج نقد میں تبدیل کئے جانے کی گنجائش بھی ہو اور ان کا لین دین

سٹاک ایکسچینج پر بھی ہو۔ جن کو جلدی رقم کی ضرورت ہو وہ سٹاک ایکسچینج پر ان حصوں کو فروخت کر دیں۔

(ب) آئندہ کے لئے تمام نیشنل سیونگ سکیمز اور پرائز بانڈ یا دیگر سودی بانڈ بند کر دیئے جائیں۔ اس کے برعکس حکومت بہت سے میوچل فنڈ قائم کرنے کی حوصلہ افزائی کرے۔ یہ فنڈز باقاعدہ ایک قانون کے تحت قائم ہو' حکومت ان کے انتظامات کے لئے اس طرح تحفظات فراہم کرے جس طرح نیشنل سیونگ سکیمز اور تجارتی بنکوں کے لئے کرتی ہے' عام لوگوں کے لئے بچت کو رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ میوچل فنڈ ہی ہوں اور حکومت کو بھی ان فنڈز میں سے ادھار مل سکے' البتہ یہ پابندی رہے کہ حکومت اس سے ایک حد (مثلاً 20 فی صدی) سے زیادہ ادھار نہ لے سکے۔ اس پابندی کے لئے بھی پارلیمنٹ سے قانون پاس کروانا ضروری ہے تاکہ حکومت کی خسارہ کی سرمایہ کاری پر بھی کوئی قدغن لگ سکے۔

## IX- حکومتی کاروبار سے سود کا خاتمہ

حکومتی کاروبار سے سود کا خاتمہ حسب ذیل پروگرام سے کیا جا سکتا ہے۔

(ا) حکومت سٹیٹ بینک سے جو قرض لیتی ہے اس پر سود ختم کر دے کیونکہ وہ سود اصل میں حکومت کی آمدنی ہی ہوتا ہے۔ سٹیٹ بینک حکومت کی ملکیت ہے' لہٰذا ان قرضوں پر سود تو محض کاغذی حساب فہمی ہی ہے۔ اسے ختم کرنے کے لئے کوئی اور تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں۔

(ب) مرکزی حکومت جو قرضے صوبائی حکومتوں کو دیتی ہے اس میں وہ قرضے جو بیرونی ممالک سے حاصل کئے گئے ہوں' ان کو چھوڑ کر باقی قرضوں پر سود بلا تردد ختم کیا جا سکتا ہے' کیونکہ یہ بھی محض کاغذی حساب فہمی ہے۔ جہاں تک بیرونی قرضوں کی سود کا تعلق ہے تو اس مسئلہ کا تعلق بیرونی قرضوں سے ہے' اس کو ہم نے علیحدہ

سے موضوع بحث بنایا ہے' بیرونی قرضوں پر سود ختم ہونے سے صوبائی حکومتوں پر سے بھی یہ بوجھ اتر جائے گا۔

(ج) ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ سے سود ختم کر دیا جائے۔ اگر حکومت ملازمین کو ان کی ریٹائرمنٹ کے وقت کوئی مدد دینا چاہتی ہے تو وہ پنشن گرانٹ کے نام سے ایک رقم دے سکتی ہے جس کا تعلق جی پی فنڈ سے نہ ہو۔ اس کے باقاعدہ قواعد وضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ حکومت چاہے تو ملازمین کے فنڈز کو سرمایہ کاری میں لگانے کے لئے ایک بورڈ مقرر کر دے اور یہ بورڈ اس فنڈ سے حاصل ہونے والے منافع سے ملازمین کو گرانٹ دے۔

(د) بچت کی سکیموں سے سود کے مسئلہ کو ہم نے اس کتابچہ میں الگ سے بھی ذکر کیا ہے۔ مختصر یہ کہ عام لوگوں کے لئے بہت سے میوچل فنڈز میں پیسہ رکھنا ممکن ہو اور حکومت بوقت ضرورت ایک حد تک انہی فنڈز سے قرض حسن کے طور پر کچھ رقم قرض لے لے۔

(ہ) حکومت تجارتی بینکوں سے بھی ان کے ریزرو کا ایک حصہ بلاسود قرض کی بنیاد پر لے سکتی ہے۔ اس میں کوئی دشواری نہیں ہونا چاہئے۔

(و) حکومت اپنے ملازمین کو مختلف قسم کے اثاثہ جات جیسے مکان' سواری وغیرہ کے خریدنے کے لئے سود پر قرض دیتی ہے۔ اس سلسلہ کو بند کر کے یہ قرض بلاسود کر دینے چاہئیں' کیونکہ حکومت کو اس مد سے معمولی سی آمدن ہوتی ہے' اس کے ختم ہونے سے حکومت کی آمدنی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔

## X- بین الاقوامی لین دین

ایک سوال یہ ہے کہ بلاسود معیشت بین الاقوامی لین دین کیسے کرے؟ بین الاقوامی لین دین کی دو شکلیں ہیں :

ا۔ درآمدات / برآمدات میں سود

ب۔ غیر ملکی قرضوں پر سود

## ا۔ درآمدات / برآمدات میں سود

پہلے درآمدات کو لیتے ہیں۔ اس میں سود اس طرح داخل ہوتا ہے کہ بیرون ملک کی فرم جو مال پاکستان میں بھیجتی ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ جونہی وہ مال روانہ کرے اسے رقم مل جائے۔ ادھر پاکستانی امپورٹر کا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک مال نہ ملے رقم کیسے ادا کرے۔ اس غرض کے لئے پاکستانی امپورٹر ایک نامۂ اعتبار (Letter of Credit) کھولتا ہے' جس کے ذریعہ سے پاکستان کا ایک بینک بیرون ملک مال بھیجنے والے کے بینک کو ضمانت دیتا ہے کہ مال بھیجنے کی صورت میں پاکستانی بینک اس کی ادائیگی کا ضامن ہے۔ اس ضمانت کے باوجود پاکستانی بینک مال وصول ہونے تک رقم نہیں بھیجتا۔ جب مال پہنچنے کی اطلاع آتی ہے تو پاکستانی تاجر رقم ادا کر کے بینک سے کاغذات لیتا ہے اور مال چھڑواتا ہے' ادھر پاکستانی بینک' بیرون ملک بینک کو ادائیگی کر دیتا ہے۔ اس سارے کام میں 3 سے 6 ماہ تک بھی لگ جاتے ہیں' لہٰذا بیرون ملک سے مال بھیجنے والا اس وقت کا سود وصول کرتا ہے۔

اس صورت حال سے نبٹنے کا ایک حل یہ ہے کہ پاکستانی تاجر جب مال بک کرے اسی وقت ساری رقم بینک کو ادا کر دے اور پاکستانی بینک بیرون ملک بینک کو یہ رقم بھجوا دے۔ ادھر بیرون ملک بینک اس بات کی ضمانت دے کہ اگر کسی وجہ سے مال نہ پہنچا' یا اس میں کوئی کمی ہوئی تو وہ رقم واپس کر دے گا۔ بیرون ملک بینک یہ ضمانت اپنے کاروباری سے طے کر کے دے گا اور اس کی ایک فیس بھی لے سکتا ہے۔ اس طرح سے یہ تجارت نقد ہو جائے گی۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ پاکستانی تاجر کے لئے اتنی رقم اتنے عرصہ کے لئے لگانا شاید ممکن نہ ہو تو جیسا کہ اس مقالہ میں پہلے لکھا جا چکا ہے' اس

صورت میں پاکستانی تاجر پاکستانی بینک سے نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر سرمایہ لے سکتا ہے۔ وہ پاکستانی فرمیں جو اس کام کے لئے سرمایہ لینا چاہیں وہ مضاربہ سرٹیفکیٹس جاری کریں' جو کہ سٹاک ایکسچینج پر فروخت ہو سکتے ہوں۔

رہا معاملہ برآمدات کا تو ان کے لئے بھی یہی طریق کار طے کیا جا سکتا ہے' بلکہ جب پاکستانی بینک اور بیرون ملک بینک اس طرح کے کاروبار میں لگیں گے تو دونوں طرف حساب فہمی کاغذات کے ذریعے ہی ہو جایا کرے گی اور بہت تھوڑی رقم ایک ملک سے دوسرے ملک جائے گی۔

برآمدات کی شکل میں بینکوں سے نفع و نقصان میں شرکت اور بھی آسان ہو گی' کیونکہ برآمدات کی قیمت معلوم ہوتی ہے' اور بینک ان کی لاگت کی پڑتال کرنے کے بعد متوقع منافع کا حساب لگا کر طے کر سکتے ہیں کہ انہیں ایسے کاروبار میں سرمایہ لگانا چاہئے یا نہیں۔ چونکہ اس کاروبار میں بینک مضاربہ سرٹیفکیٹس خریدیں گے' لہٰذا ان کو سہولت ہو گی کہ جب چاہیں انہیں سٹاک ایکسچینج پر فروخت کر لیں۔ مزید برآں برآمدات اور درآمدات کا کاروبار کرنے والی کمپنیاں چونکہ بڑی ہوتی ہیں' لہٰذا ان کے حسابات باقاعدہ ہوتے ہیں اور اس کا احتمال کم ہو گا کہ وہ ان میں گڑبڑ کریں۔ بہرحال بینکوں کو یہ اختیار رہے گا کہ وہ جس فرم کے حسابات چاہیں تفصیل سے دیکھ لیں۔

## ب۔ بین الاقوامی قرضے

جہاں تک مستقبل کے قرضوں کا تعلق ہے وہ تو ہر صورت میں بلاسود ہونے ضروری ہیں اور کسی حال میں بھی سود پر نہ لئے جائیں۔ سرمایہ لگانے والے بین الاقوامی اداروں سے سرمایہ کا حصول نفع و نقصان میں شرکت یا مالکانہ حصص کی فروخت کے اصول پر ہو۔ بہت سے پراجیکٹس جن کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی

ہے نفع بخش ہوتے ہیں اور حکومت ان میں نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کر سکتی ہے۔ البتہ ایسے قرضے جو نفع بخش کاموں کے لئے نہیں ہیں' جیسے کہ دفاع وغیرہ تو ان میں سود کی ادائیگی کی بجائے مال دفاع کی جو بھی قیمت طے پا جائے حکومت اسے دینے کی پابند رہے' اس پر سود دینا قبول نہ کرے۔ یہ سوال کہ کیا ان بنیادوں پر مال دفاع مل جائے گا یا نہیں' ایک عملی سوال ہے' اور جب تک اس کی کوشش کر کے نہ دیکھ لی جائے ہم حالتِ اضطرار میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جس طرح بغیر کوشش کئے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی شرائط پر مال نہیں مل سکتا اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "مل سکتا ہے"۔ بہرحال ایک سچے مسلمان معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے لئے جدّوجہد کرے۔

اب مسئلہ ہے موجودہ بین الاقوامی قرضوں کا۔ اس کا کوئی آسان حل تو نہیں ہے' البتہ ہر معاملہ کو تفصیل سے دیکھنا ہو گا۔ جن سے قرضہ لیا گیا ہے ان سے اس کے مبادلہ (Conversion) کی بات کرنا ہوگی' تاکہ وہ اس کو مالکانہ حصص (Equity) میں بدل لیں' جہاں جہاں کہ یہ سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگا ہے' جیسے ٹیلی کمیونی کیشن' سوئی گیس' بجلی وغیرہ۔ البتہ وہ جگہیں جہاں یہ قرضے نفع آور کاموں پر نہیں لگے' اس کے لئے گفت و شنید کے ذریعے کوئی حل نکالنا ضروری ہو گا۔ ایک حل ایسا ہے جس کو ورلڈ بینک نے بہت تحفظ دیا ہے اور دنیا بھر میں اس کا کچھ چلن ہے۔ اس کو "قرض و مالکانہ حصص کا مبادلہ" (Debt-Equity Swap) کہتے ہیں۔ اس کی شکل یوں ہے :

(ا) فرض کیجئے حکومت پاکستان نے کسی بیرونی بینک کا قرض دینا ہے اور یہ قرض 100 ملین ڈالر ہے۔ کوئی باہر کا ادارہ' کمپنی یا پاکستانی شہری بیرون ملک قرض خواہ بینک سے یہ قرض 55 ملین ڈالر میں خرید لیتا ہے۔ بینک کے لئے 55 ملین ڈالر کا مل جانا بھی غنیمت ہے۔ اب جو یہ قرض خریدتا ہے اسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ

وہ اس قرض کے برابر یا کسی کم و بیش رقم پر روپوں میں حکومت پاکستان سے ادائیگی وصول کرے۔

(ب) یہ ادائیگی روپوں میں ہوگی اور رائج الوقت شرح مبادلہ پر ہوگی۔

(ج) ان روپوں سے ایک کمپنی وجود میں لائی جائے گی جو کہ کوئی صنعت پاکستان میں قائم کرے گی' جس میں پاکستانی افراد کو روزگار ملے گا۔

(د) یہ کمپنی باہر سے مزید سرمایہ اور ٹیکنالوجی لا سکے گی۔

(ہ) اس کمپنی کو انکم ٹیکس اور دوسرے قواعد میں کچھ رعایتیں حاصل ہوں گی اور یہ اپنا منافع ملک سے باہر لے جا سکے گی اور برآمدات بھی کر سکے گی۔

قرض و مالکانہ حصص کے مبادلہ کا یہ طریقہ حال ہی کے سالوں میں رائج ہوا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی (واللہ اعلم)۔ حکومت اس طریقہ پر عمل کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہے۔

یہ بات البتہ واضح ہونی چاہئے کہ قرض اندرونی ہو یا بیرونی' اس پر سود کی ادائیگی ہر حال میں شریعت کے منافی ہے' اور حکومت کو جرأت کے ساتھ سود کی ادائیگی بند کر دینا چاہئے۔

ضمناً یہ بات بھی نوٹ فرمائی جائے کہ جو بیرونی قرضے حکومت لیتی ہے ان میں سے بہت سے قرضوں کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے' مثلاً حکومت ان کاموں کے لئے قرضے لیتی ہے :[19]

(i) پرائمری سکولوں کے لئے

(ii) دیہاتوں میں بجلی پہنچانے کے لئے

(iii) زراعت کے توسیعی پروگرام کے لئے

(iv) حفاظتی ٹیکوں کے پروگرام کے لئے

(v) کھیتوں میں نالیاں پکی کرنے کے لئے

(vi) نرسوں کے سکول کھولنے کے لئے
(vii) اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کی ٹریننگ کے لئے
(viii) سڑکوں کی تعمیر کے لئے
(ix) سیلاب کی آگے بند ھ باندھنے کے لئے
(x) ماہی گیری کی تربیت کے لئے
(xi) ثانوی سکولوں میں سائنس کی تعلیم کے لئے
(xii) کھیتوں سے مارکیٹ تک سڑکیں بنانے کے لئے
(xiii) ووکیشنل تعلیم کے لئے
(xiv) دیہاتوں میں آب نوشی کے لئے---وغیرہ

غور فرمائیں تو ان میں سے شاید ہی کوئی کام ہو جس کے لئے بیرونی قرضوں کی ضرورت ہو۔ سوال ہے کہ پھر حکومت یہ قرضے کیوں لیتی ہے؟ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت بھی اور قرضہ دینے والے ادارے بھی ان جیسی مدّوں میں قرض کا انتظام اس لئے کرتے ہیں کہ پہلے سے لئے ہوئے قرضوں اور ان پر سود کی ادائیگی کے لئے زرِ مبادلہ میسر آ جائے۔ چنانچہ اس سے ایک لامتناہی چکر شروع ہو گیا ہے جس میں قرضے مزید قرضوں کی طرف لے جا رہے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ جو نئے قرضے لئے جاتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ واپس چلا جاتا ہے اور نیا بوجھ لد جاتا ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل اعداد و شمار ہیں[۲۰]:

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

(ملین ڈالروں میں)

| سال | نیا قرض | پہلے قرض کی ادائیگی | در آمدی سرمایہ خالصتاً | در آمدی سرمایہ نئے قرض کا فیصد |
|---|---|---|---|---|
| | Gross Disbursement | Debt Service | Net Transfer | NetTransfer as%ofGross Disburement |
| ء1974-75 | 1135 | 259 | 876 | %77 |
| ء1980-81 | 1471 | 995 | 476 | %32 |
| ء1981-82 | 1288 | 1148 | 140 | %11 |
| ء1982-83 | 1541 | 1277 | 264 | %17 |
| ء1983-84 | 1357 | 1205 | 152 | %11 |
| ء1984-85 | 1360 | 1254 | 106 | %8 |
| ء1985-86 | 1624 | 1558 | 60 | %4 |
| ء1986-87 | 1511 | 1744 | (233) | (%15) |
| ء1987-88 | 1965 | 7191 | 174 | %9 |
| ء1988-89 | 2773 | 1862 | 911 | %33 |
| ء1989-90 | 2503 | 1826 | 677 | %27 |
| ء1990-91 | 2244 | 1806 | 438 | %20 |
| ء1991-92 | 2366 | 1513 | 853 | %36 |
| ء1992-93 | 2241 | 1519 | 722 | %32 |

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ 75-1974ء میں نئے درآمدی سرمایہ کا 77 فی صدی ملک میں رہ جاتا تھا' جو کہ کم ہوتا ہوتا 87-1986ء میں منفی ہو گیا' یعنی اس سال 1511 ملین ڈالر جو نئے قرض کے لئے گئے وہ بھی اور مزید 233 ملین ڈالر پچھلے قرضوں اور سود کی ادائیگی میں صرف ہو گئے۔ یہ رجحان جاری رہتا تو صورت حال بہت ابتر ہوتی' لیکن قرض دینے والوں نے جلد ہی مریض کو تازہ خون فراہم کرنا شروع کیا تاکہ آئندہ اس میں قرض اور سود لوٹانے کی سکت باقی رہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمی مالیاتی ادارے نئے قرض دینے کے لئے بہت جدوجہد کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کاروبار کی ترقی کے محکمے (Development Departments) ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ وہ ضرورت مند ہیں اور انہیں قرضوں کی ضرورت ہے۔ ان کی اس تگ و دو میں علمِ معاشیات اور ماہرین معاشیات بھی بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ اس طرح مل جل کر مزید قرضوں کے لئے ایک علمی جواز بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے حکومت اِس وقت قرضے لے رہی ہے ان کی بہت تفصیل سے پڑتال کی ضرورت ہے' ایک ایک ڈالر جو قرض لیا جاتا ہے اس کے بارے میں یہ سوال پوچھا جانا چاہئے کہ کیوں' ملک اس کے بغیر چل نہیں سکتا؟---- صرف انہی ضرورتوں کے لئے بیرونی قرضے لینے چاہئیں جن کے بغیر زندگی مشکل ہو۔ جب تک ہم اپنی حکمت عملی میں تبدیلی نہیں کرتے بیرونی قرضوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ (جاری ہے)

---

Muhammad Faiz, "Financing Govt. Transactions in an Interest free Economy," in K. Ahmad (ed.), *Elimination of Riba from the Economy*, Islamabad: Institute of Policy Studies, 1994, Pp 166.

*Estimates of Foreign Asistance 1991-92*, Islamabad: Finance Division, 1991.

*Economic Survey Report*, 1991-92, 1992-93.

پروفیسر حافظ احمد یار

# سورۃ البقرۃ

## آیات ۵۸-۵۹

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغہ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغہ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغہ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲: ۵: ۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲: ۵: ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

### ۲: ۳۷: ۲ الاعراب

زیر مطالعہ دو آیات کو بلحاظ اعراب سات چھوٹے بڑے جملوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو سب آپس میں فائے عاطفہ یا واو عاطفہ کے ذریعے باہم ملا کر ایک مربوط لمبی عبارت بناتے ہیں جملوں کی الگ الگ تفصیل یوں ہے۔

① واذ قلنا ادخلوا هذه القرية

[وَ] یہاں عاطفہ بھی ہوسکتی ہے اور مستانفہ بھی (عطف اور استیناف کے فرق پر اس سے پہلے کئی جگہ بات ہوئی ہے) [اِذْ] ایک فعل محذوف (اذکر) کا ظرف ہے۔ یہ دونوں لفظ "وَاِذْ" گزشتہ آیات میں متعدد بار آچکے ہیں۔ اس کا ترجمہ "اور جس وقت / جب" ہے [قُلْنَا] فعل ماضی جمع متکلم ہے جس میں ضمیر تعظیم (نحن) مستتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [اُدْخُلُوا] فعل امر صیغہ جمع

مذکر حاضر ہے۔جس میں ضمیر فاعلین" انتم" بصورت" و" (واوالجمع) موجود ہے [ھذہ] اسم اشارہ اور [القریۃ] مشارٌ الیہ ہے اور یہ پورا مرکب اشاری (ھذہ القریۃ) فعل"ادخلوا" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔علامتِ نصب" ھذہ" (اشارہ) میں تو مبنی ہونے کے باعث ظاہر نہیں مگر"القریۃ" (مشارٌ الیہ) کی" ۃ" میں بصورت فتحہ (ـَ) موجود ہے۔اور یہ پورا جملہ (ادخلوا ھذہ القریۃ) فعل" قُلنا" کا مقول (حکایۃ القول) ہونے کی بنا پر محلاً منصوب قرار دیا جا سکتا ہے۔

④ فکلوا منھا حَیثُ شئتم رغدا:

[فَ] عاطفہ ہے جس سے فعل" کلوا" سابقہ فعل" ادخلوا" پر عطف ہے یعنی" ادخلوا فکلوا"۔ [کُلُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین" انتم" بصورت واوالجمع موجود ہے۔ [منھا] جارّ (مِن) اور مجرور (ھا) مل کر متعلق فعل (کلُوا) ہے" یعنی کھاؤ اس میں سے" [حَیثُ] ظرف زمان مبنی علی الضم ہے یعنی اس کی (آخری)" ث" پر ہمیشہ ضمہ (ـُ) ہی رہتا ہے چاہے اس سے پہلے کوئی حرف جارّ (مثلاً" مِنْ) بھی آجائے۔تو" مِنْ حیثُ"... ہی رہے گا [شِئتم] فعل ماضی مع ضمیر فاعلین" انتم" جملہ فعلیہ ہے اور یہ" حیثُ" کا مضاف الیہ شمار ہوگا (ظرف عموماً مضاف ہوکر آتے ہیں)۔اس طرح (حیث شئتم) کا لفظی ترجمہ" تم نے چاہا کی جگہ" ہوگا اور مراد ہے" جس جگہ/جہاں سے تم چاہو" یا" جہاں سے تمہارا جی چاہے"۔[رغدًا] یا تو ایک فعل محذوف (مثلاً: رغد عیشکم = (تمہارا سامان زندگی فراواں اور بکثرت ہوا)۔دیکھئے [۲ : ۲۵ : ۱ (۸)] کا مفعول مطلق (لہٰذا) منصوب ہے (بمعنی بے روک ٹوک ہونا) اور یا مصدر بمعنی اسم الفاعل (راغدِیْنَ) ہوکر حال منصوب ہے۔(بمعنی بے روک ٹوک ہوتے ہوئے) اور اسی کا بامحاورہ ترجمہ" بے تکلفی سے، بے روک ٹوک اور خوب فراغت سے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔یہ جملہ (۲) بھی سابقہ جملے (۱) کی طرح" قلنا" کا مقول (مفعول) ہے۔

③ وادخلوا الباب سُجّدًا:

[وَ] برائے عطف ہے اور [ادخلوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین"انتم" مستتر ہے۔[البابَ] فعل" ادخلوا" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامتِ نصب آخری" ب" کی فتحہ (ـَ) ہے۔دخل کا مفعول" فی" کے ساتھ مجرور ہوکر (محلاً منصوب) بھی آتا ہے اور ظرفیت کی بنا پر مفعول فیہ ہوکر منصوب بھی آتا ہے جیسے یہاں ہے اور اس صورت میں اسے منصوب بنزع

الخافض بھی کہتے ہیں۔ اس (ادخلوا الباب) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "تم داخل ہو جاؤ دروازے میں" اور مراد ہے "دروازے میں سے ہو کر (بستی میں) داخل ہو جاؤ" [سُجَّدًا] حال (لہٰذا) منصوب ہے۔ یعنی سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے" یا "سجدہ کرتے ہوئے" اور چونکہ سجدہ سے مطلوب عاجزی کا اظہار ہے اس لیے بعض نے اس کا ترجمہ "جھکے جھکے" اور "جھکے ہوئے کیا ہے۔ اور بعض نے اردو محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پوری عبارت (وادخلوا الباب سجدًا) کا ترجمہ "اور داخل ہونا تو سجدہ (شکر کا) کرنا" سے کیا ہے اردو میں ایسے موقع پر مصدر بمعنی "امر" استعمال ہوتا ہے۔ یہ جملہ (۳۵) بھی "وَ" کے ذریعے سابقہ جملے پر عطف ہو کر ابتدائی "قلنا" کا مقول لہٰذا محلاً منصوب بنتا ہے۔

④ وقولوا حطةٌ نغفر لکم خطایاکم:

[وَ] عاطفہ ہے اور [قولوا] فعل امر مع ضمیر فاعلین "انتم" ہے۔ اور [حِطَّةٌ] اگر یہاں "حِطَّةً" (منصوب) ہوتا تو "قولوا" کے مفعول (مقول) ہونے کے لحاظ سے (بلحاظ نحو) درست ہوتا۔ مگر اس کے یہاں مرفوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گویا اس سے پہلے ایک مبتدا محذوف ہے یعنی "قولوا" سؤالُنا حطةٌ" (یعنی یوں کہو ہمارا سوال "مغفرت" ہے) فعل "قال" کے ساتھ اس کے مفعول (مقول) کے کبھی مرفوع اور کبھی منصوب آنے کی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی آیت میں دونوں مثالیں جمع ہو گئی ہیں۔ مثلاً "قالوا سلامًا قال سلامٌ" (ہود: ۶۹) اور "فقالوا سلامًا قال سلامٌ" (الذاریات: ۲۵) یعنی "انہوں نے "سلام" کیا اور اس نے (جواب میں) "سلام" کہا"۔ اس میں رفع والے "سلامٌ" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہی لفظ اسی طرح جواب میں کہا۔ گویا "قالوا سلامًا" انگریزی کے indirect کی طرح ہے اور "قال: سلامٌ" direct کی شکل میں ہے۔ [نغفرْ] فعل مضارع مجزوم ہے کیونکہ یہ فعلِ امر "قولوا" کا جوابِ امر ہے اور علامتِ جزم آخری "ر" کا سکون (ْ) ہے۔ اس فعل میں ضمیر تعظیم "نحن" مستتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (تو ہم بخش دیں گے) [لکم] جارّ لِ جو ضمیر کے ساتھ مفتوح ہے) اور مجرور (کم) مل کر متعلق فعل "نغفر" ہے یا یہ (لکم) فعل "نغفر" کا مفعول ثانی (جس پر لام کا صلہ آتا ہے) ہونے کے باعث محلاً منصوب ہے یعنی "تم کو (یہاں "لکم" کا ترجمہ لفظی "تمہارے لیے" نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اردو محاورے میں غیر مانوس ہے)۔ [خطایاکم] مضاف (خطایا) اور مضاف الیہ (کُم) مل کر فعل "نغفرْ" کا مفعول اول (جو چیز

معاف کر دی جائے ) ہے اور اسی لیے منصوب ہے۔ علامتِ نصب ظاہر نہیں ہے کیونکہ "خطایا" اسم مقصور ہے۔ منصوب (مفعول) ہونے کی وجہ سے یہاں "خطایاکم" کا ترجمہ "تمہاری خطاؤں کو" تمہارے گناہوں کو' ہونا چاہیے مگر اردو میں دو مفعول آئیں تو "کو" صرف ایک کے ساتھ لگتا ہے اس لیے "لکم" (تم کو) کے بعد یہاں اس کا بامحاورہ ترجمہ "تمہاری خطائیں، تمہارے گناہ، تمہارے قصور" (بخش دیں گے) کی صورت میں کیا گیا ہے۔

⑤ وسنزید المحسنین:

[وَ] استیناف کی ہے یعنی اس سے بعد کہی جانے والی بات بنی اسرائیل سے کہی جانے والے سابقہ بات (جو "قلنا" سے شروع ہوئی تھی) کا حصہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنا ایک عام قانون بیان فرمایا ہے جو سب کے لیے ہے۔ [سنزید] فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ہے جس پر "س" داخل ہوا ہے۔ اس میں بھی ضمیر تعظیم "نحن" مستتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [المحسنین] فعل "نزید" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامتِ نصب آخری نون سے پہلے والی یائے ما قبل مکسور (ـِ ی) ہے جو جمع سالم مذکر اسم میں نصب اور جر کی علامت ہوتی ہے۔ یہاں اس فعل (نزید) کا مفعول ثانی یا تمیز محذوف ہے یعنی "محسنین" کو کون سی چیز زیادہ دیں گے یا کس چیز کے لحاظ سے بڑھائیں گے [دیکھئے فعل "زادیزید" کے استعمال کی بحث البقرہ:۱۰ [۲:۸:۱(۸)] میں]۔ اس عبارت کے اجزاء کا الگ الگ ترجمہ ابھی اوپر حصۃ اللغۃ [۲:۳۷:۱(۸،۷)] میں بیان ہو چکا ہے

⑥ فبدّل الذین ظلموا قولاً غیرَ الذی قیل لھم:

[فَ] یہاں استیناف کی ہے کیونکہ اس کا عطف سابقہ "قلنا" کے مقول جملوں پر (بلحاظ معنی) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہاں سے ایک الگ مضمون شروع ہوتا ہے [بدّل] فعل ماضی معروف صیغہ واحد غائب ہے [الذین] اسم موصول فعل "بدّل" کا فاعل (لہٰذا مرفوع) ہے مگر مبنی ہونے کے باعث اس میں علامتِ رفع ظاہر نہیں ہے۔ اور [ظلموا] فعل ماضی مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر اسم موصول "الذین" کا صلہ ہے اور دراصل تو یہاں صلہ موصول مل کر (الذین ظلموا) فعل "بدّل" کا فاعل ہے یعنی بدل دیا "ظالموں" نے [قولاً] فعل "بدل" کا مفعول (لہٰذا) منصوب ہے [غیرَ] یہاں "قولاً" (نکرہ موصوفہ) کی صفت ہے اس لیے منصوب ہے علامتِ نصب "ر" کی فتحہ (ـَ) ہے "غیر" کے بطور صفت استعمال کے لیے دیکھئے الفاتحہ: ۷ [۱:۶:۱(۴)]

"غیر" ہمیشہ مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اسی لیے یہاں یہ خفیف بھی ہے۔ اور [الذی] اسم موصول اس (غیر) کا مضاف الیہ (لہٰذا مجرور) ہے مگر مبنی ہونے کی وجہ سے علامتِ جر ظاہر نہیں ہے۔ [قِیل] فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی "کیا گیا" (جس کا ترجمہ فعل کے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی بنا پر "حکم دیا گیا" کیا جا سکتا ہے) [لَھُمْ] جار (لِ) مجرور (ھم) مل کر فعل "قیل" سے متعلق ہیں (یعنی "ان کو") کہا گیا اور یہ جملہ (قیل لھم) "الذی" (جو "غیر" کے بعد ہے) یعنی موصول کا صلہ ہے اور صلہ موصول مل کر (الذی قیل لھم) "غیر" کا مضاف الیہ ہے لہٰذا اسے محلاً مجرور بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ سب (غیر الذی قیل لھم) مل کر "قولاً" کی صفت ہے جو "بدّل" کا مفعول تھا۔

یہاں فعل "بدّل" کا دوسرا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہے یعنی جس کی بجائے "یہ بات" بدل لی تھی۔ یہ مفعول (ثانی) عموماً "ب" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے لہٰذا یہاں تقدیر عبارت یوں (understood) بنتی ہے: "فبدل الذین ظلموا (بالذی قیل لھم) قولاً غیر الذی قیل لھم" یعنی "ظالموں نے (جو بات ان کو کہی گئی تھی اس کی بجائے/ (اس کے خلاف) ایک اور بات (عبارت) بدل دی۔ جو اس سے جو ان کو کہی گئی تھی کے خلاف/سے الگ/کے سوا تھی"۔ اور چونکہ یہاں "بدّل" بلحاظ موقع و معنی "قال" ہی ہے (کیونکہ بات ہی تو بدل دی تھی) اس لیے تقدیر عبارت (دوسرے لفظوں میں) یوں بھی بن سکتی ہے کہ "قال الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم"۔ بلحاظ ترکیب نحوی ان دو مقدر عبارتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض مترجمین نے وضاحتی ترجمہ یوں کیا ہے (۱) "اس لفظ (بات کو جس کا حکم ان کو دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ ایک اور لفظ کہنا شروع کر دیا" (۲) "جس کا حکم دیا گیا (وہ نہ کہی بلکہ) اس کے سوا/کی بجائے کچھ اور کہنے لگے"۔ ان دو ترجموں میں "کہنا شروع کر دیا" اور "کہنے لگے" اسی مقدر عبارت (قال کے ساتھ) کا ترجمہ ہے۔

⑥ فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون

[ف] عاطفہ تعلیلیہ (یعنی "اس لیے، تو پھر") ہے [انزلنا] فعل ماضی معروف مع ضمیر تعظیم "نحن" ہے [علی الذین ظلموا] میں "علی" حرف الجر" اور "الذین" اسم موصول مجرور بالجر ہے "ظلموا" فعل ماضی مع ضمیر الفاعلین جملہ فعلیہ بن کر اس "الذین" کا صلہ ہے اور یہ سارا مرکب جاری (علی الذین ظلموا: ان پر جنہوں نے ظلم کیا یعنی ظالموں پر) فعل "انزلنا" سے متعلق ہے اور یہاں یہ متعلق

فعل (مرکب) مفعول سے (جو آگے آرہا ہے) مقدم (پہلے) آیا ہے جس سے اس میں "ظالموں ہی پر" کا مفہوم پیدا ہوا ہے [رجزاً] اس فعل (انزلنا) کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامتِ نصب اس کے آخر پر تنوینِ نصب (ً) ہے۔ [من السماء] جارّ (من) اور مجرور (السماء) مل کر یا تو فعل "انزلنا" سے (ہی) متعلق ہے۔ اور چاہیں تو اسے "رِجزاً" کی صفت یا حال بھی کہہ سکتے ہیں یعنی "ایسا" رجز" (عذاب) جو کہ آسمان سے تھا" (یا جس کی حالت یہ تھی کہ آسمان سے آیا) تینوں صورتوں میں (متعلق فعل ہو یا صفت یا حال) "من" بیانیہ یعنی وضاحت اور بیان کے لیے ہے۔ اس حصۂ عبارت کی عام سادہ نثر یوں ہوتی "فانزلنا رجزا من السماء علی الذین ظلموا" اس میں "علی الذین ظلموا" کی تقدیم (مفعول پر) سے ادبی حسن بھی پیدا ہوا ہے اور مفہوم میں نکتہ تاکید بھی آگیا ہے۔ "یعنی ظالموں پر ہی" عذاب آیا۔

[بما] میں "باء" (ب) سببیہ (یعنی . . . کے سبب سے کی وجہ سے) اور "ما" موصولہ (یعنی جو کہ) ہے یعنی "بسبب اس کے جو کہ"۔ [کانوا] فعل ناقص صیغہ ماضی اپنے اسم (ھُم) سمیت ہے اور [یفسقون] فعل مضارع مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر "کانوا کی خبر (لہٰذا محلاً منصوب) ہے یعنی "کانوا فاسقین" کے معنی میں ہے۔ اور چاہیں تو "کانوا یفسقون" کو اکٹھا فعل ماضی استمراری کا صیغہ سمجھ لیں اور "ما" کو مصدریہ سمجھ لیں تو تقدیر عبارت "بکونھم فاسقین" (ان کے فاسق ہونے کی وجہ سے) یا "بفسقھم" (ان کے فسق/نافرمانی کی وجہ سے) بھی ہو سکتی ہے۔ اور ان مصدری معنی کو سامنے رکھتے ہوئے ہی بیشتر اردو مترجمین نے "بما کانوا یفسقون" (بسبب اس کے جو کہ وہ نافرمانی کرتے تھے) کا ترجمہ "ان کی بے حکمی پر/ان کی عدول حکمی پر/ان کی نافرمانی (کی سزا میں)/نافرمانی پر"۔ اور بدلہ ان کی نافرمانی کا" کی صورت میں کیا ہے اگرچہ بعض نے اصل جملے (کانوا یفسقون) کے مطابق "خلاف حکم کرتے تھے/نافرمانیاں کیے جاتے تھے/نافرمانی کرتے رہتے تھے" کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

## ۲: ۳۷: ۳ الرسم

زیر مطالعہ دو آیات کے تمام کلمات کا رسم املائی اور رسم عثمانی یکساں ہے۔ صرف ایک کلمہ "خطایاکم" کا رسم عام املاء سے مختلف اور وضاحت طلب ہے۔

لفظ "خطایا" مختلف ضمیروں کے ساتھ مضاف ہو کر قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے دو جگہ "خطایاکم" دو جگہ "خطایانا" اور ایک جگہ "خطایاھم" ہے۔ قرآن کریم میں رسم عثمانی کے

مطابق ان کلمات کو ہر جگہ دو الف محذوف کر کے لکھا جاتا ہے ("طاء" کے بعد والا الف اور "یاء" کے بعد والا الف) یعنی ان کو بصورت "خطیکم" "خطینا" اور "خطیھم" ہی لکھا جاتا ہے۔ اور یہ متفق علیہ رسم ہے اور اگرچہ علم الرسم کی بعض کتابوں میں صرف "طاء" کے بعد والے الف کے اثبات کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی بصورت "خطایکم، خطاینا اور خطایھم" لکھنا) تاہم یہ قول شاذ ہے[1] اور عملاً کہیں بھی اس طرح لکھا نہیں جاتا۔ (اگرچہ ترکی اور ایران کے مصاحف میں ان کلمات کو رسم املائی کی صورت میں (خطایاکم، خطایانا، خطایاھم) لکھنے کی غلطی عام ہے مگر صرف ایک الف (بعد الیاء) کے حذف کے ساتھ یہ کہیں بھی نہیں لکھے جاتے) برصغیر اور عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں ہر جگہ یہ دونوں الف (بعد الطاء و بعد الیاء) کے حذف کے ساتھ ہی لکھے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ "خطایا" چونکہ دراصل "خطای" تھا اس لیے قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ اسے ضمیر متصل کے ساتھ لکھتے وقت اس کی آخری "یاء" کے لیے بھی ایک "دندانہ" لکھا جاتا یعنی "خطیٰکم" (مثل "مولٰکم") مگر رسم عثمانی میں عموماً ایک ہی حرف کو ساتھ ساتھ دو دفعہ لکھنے سے اجتناب کیا گیا ہے[2] (ماسوائے چند خاص کلمات کے استثنار کے جن کا ذکر اپنی جگہ آئے گا)۔ اس لیے ان کلمات ثلاثہ کو "خطیکم، خطینا اور خطیھم" ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے پھر بذریعہ ضبط "ط" اور "ی" کے بعد والے محذوف الفوں کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

## ۲:۳۷:۴ الضبط

زیرِ مطالعہ آیات کے کلمات میں ضبط کے تنوع کو درج ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے
نونِ مکتوبی اور تنوین کے نونِ ملفوظی کے اخفاء اور اظہار کے لیے ضبط کا فرق قابلِ توجہ ہے
مثلاً "منھا" اور "فانزلنا" میں "ن" کے ضبط کا اور "رغداً" اور "قولاً" کی تنوین کا فرق غور طلب ہے

وَاِذْ ، إِذ ، اِذْ / قُلْنَا ، قُلْنَا ، قُلْنَا / ادْخُلُوا ، ادْخُلُوا ، اُدْخُلُوا / هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ، هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ، هٰذِهِ الْقَرْيَةَ /

---

[1] دیکھئے نثر المرجان ج ۱ ص ۱۵۰

[2] سمیر الطالبین (للضباع) ص ۶۴

فَكُلُوْا ، فَكُلُوا ، فَكُلُوْا / مِنْهَا ، مِنْهَا ، مِنْهَا / حَيْثُ
حَيْثُ / شِئْتُمْ ، شِئْتُمْ / رَغَدًا ، رَغَدًا / وَّادْخُلُوا
(مثل سابق) / الْبَابَ ، الْبَابَ ، الْبَابَ ، الْبَابَ / سُجَّدًا ،
سُجَّدًا ، سُجَّدًا / وَّقُوْلُوْا ، وَقُوْلُوْا ، وَقُوْلُوْا / حِطَّةٌ ،
حِطَّةٌ ، حِطَّةٌ / نَّغْفِرْ ، نَّغْفِرْ / لَكُمْ ، لَكُمْ / خَطٰيٰكُمْ
خَطٰيٰكُمْ ، خَطٰيٰكُمْ / وَسَنَزِيْدُ ، سَنَزِيْدُ ، سَنَزِيْدُ /
الْمُحْسِنِيْنَ ، الْمُحْسِنِيْنَ ، الْمُحْسِنِيْنَ ، الْمُحْسِنِيْنَ /
فَبَدَّلَ ، فَبَدَّلَ / الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ / ظَلَمُوْا ، ظَلَمُوْا /
قَوْلاً ، قَوْلاً ، قَوْلاً / غَيْرَ ، غَيْرَ / الَّذِيْ ، الَّذِيْ ، الَّذِيْ ، الَّذِيْ /
قِيْلَ ، قِيْلَ ، قِيْلَ / لَهُمْ / فَاَنْزَلْنَا ، فَاَنْزَلْنَا ، فَأَنْزَلْنَا ،
فَاَنْزَلْنَا / عَلَى الَّذِيْنَ (مثل سابق) ظَلَمُوْا (مثل سابق) / رِجْزًا ، رِجْزًا /
مِّنَ ، مِنَ / السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ / بِمَا ، بِمَا ،
بِمَا / كَانُوْا ، كَانُوْا ، كَانُوْا ، كَانُوْا / يَفْسُقُوْنَ ، يَفْسُقُوْنَ ،
يَفْسُقُوْنَ ـ

## پیش رفت

انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کراچی میں

# فہم قرآن کے دس ماہی کورس کا اجراء

دعوت رجوع الی القرآن کے کام میں پیش رفت کا ایک اہم مظہر

الحمدللہ کہ انسان نے جب پہلی مرتبہ اس دنیا میں قدم رکھا تو نور نبوت کی رہنمائی اسے میسر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہے کہ وہ نور نبوت سے رہنمائی حاصل کرنیوالوں کا حامی و مددگار ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال کر لاتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷) لیکن چونکہ ع "ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی" لہٰذا طاغوتی قوتوں نے انسان کو ہمیشہ روشنی سے تاریکی کی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے اور اس میں انہیں کسی قدر کامیابی بھی ہوتی رہی ہے' لیکن ربِّ کریم کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جس انسان کو اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اسے ہمیشہ کے لئے کفر کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دے' لہٰذا وہ انسانوں کے درمیان نہ صرف رسولوں کو مبعوث فرماتا رہا ہے بلکہ انہیں کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں ہدایت ناموں سے بھی سرفراز کرتا رہا ہے۔ تا آنکہ خاتم النبیین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ اس دنیا میں الہدیٰ اور دین حق لے کر مبعوث ہوئے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

"وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔" (سورۃ الحدید' آیت ۹)

تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کے اس عمل کو اس نے اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے حبیب ﷺ کے علاوہ اپنی آخری کتاب یعنی قرآن کریم کو اس عمل کے لئے ذریعہ بنایا۔ بفحوائے قرآنی :

"ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا

کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اِذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔" (سورۃ المائدہ' آیت ۱۶)

ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے بعد آج بھی ہم انسانوں کے لئے کفر و شرک اور بدعات کے اندھیاروں سے نکلنے کا واحد ذریعہ قرآن کریم ہم میں موجود ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے مندرجات کو سمجھ کر عمل کے جذبے کے ساتھ پڑھا جائے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ آج بھی لوگوں کو قرآن کے ذریعہ ایمان کی دعوت دی جائے تو ان میں اس کے لئے تڑپ لازماً پیدا ہوتی ہے' لہٰذا جب انجمن خدام القرآن سندھ نے لوگوں کو اخباری اشتہارات کے ذریعہ فہم قرآن کے چالیس ہفتوں کے کورس میں شرکت کی دعوت دی تو ٹیلیفون کالوں کا تانتا بندھ گیا۔ ایک مکمل کورس ہونے کی بناء پر اگرچہ اس کا دورانیہ صبح ساڑھے آٹھ تا دوپہر ساڑھے بارہ بجے رکھا گیا تھا جس کی بناء پر اکثر ملازم پیشہ حضرات اس کورس میں شرکت سے قاصر رہے تاہم انٹرویوز کے نتیجے میں ۳۲ مرد اور ۱۸ خواتین کورس میں شرکت کے لئے کامیاب قرار دی گئیں۔

انٹرویو انجینئر نوید احمد صاحب نے جو نہ صرف اساتذہ میں شامل ہیں بلکہ اس کورس کے ڈائریکٹر بھی ہیں' اور عبدالواحد عاصم صاحب نے لئے۔ انجینئر نوید احمد خود بھی قرآن اکیڈمی میں منعقد ہونے والے پہلے قرآن فہمی کورس سے فارغ التحصیل ہیں' اور ایک اچھے مقرر اور عمدہ مدرس ہونے کے علاوہ دو بار رمضان المبارک میں صلوٰۃِ تراویح کے دوران دورۂ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کا فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔ آپ تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۳ (لانڈھی کورنگی) اور تنظیم اسلامی ضلع جنوبی کے امیر بھی ہیں اور حال ہی میں انجینئرنگ کے پیشے کو خیرباد کہہ کر دین کی بہتر خدمت کی انجام دہی کے لئے انجمن خدام القرآن سندھ میں بحیثیت ہمہ وقتی کارکن آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایثار کو قبول فرمائے اور توشۂ آخرت بنائے۔ عبدالواحد عاصم صاحب تنظیم اسلامی کی کراچی کی سطح پر سینئر عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں اور خود بھی انجینئر نوید احمد کی طرح قرآن فہمی کے پہلے کورس میں شریک رہے ہیں۔ اور گزشتہ سال جب عوام کی سہولت کے لئے یہ پروگرام گلشن اقبال

میں واقع انجمن کے فلیٹ میں کیا گیا جہاں تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ا کا دفتر بھی ہے تو انہوں نے اس پروگرام کی انتہائی کامیابی کے ساتھ نگرانی فرمائی۔

اسلامی سالِ نو کے پہلے روز یعنی یکم محرم الحرام ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۹۴ء کو اس پروگرام کا آغاز ہوا۔ انجمن کے صدر جناب زین العابدین صاحب نے سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات کے حوالے سے اپنی افتتاحی تقریر میں مختصر طور پر انجمن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے مختلف مراحل اور انجمن کے زیر اہتمام ہونے والے سابقہ دو کورسوں کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے بعد ازاں جناب نوید احمد صاحب کو دعوت تقریر دی جنہوں نے سورۃ الانعام کی آیت ۱۲۲ کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور کورس کی تفصیلات بتائیں۔ یہ کورس عربی گرامر' اس کے اجراء (applications)' منتخب نصاب اور تجوید کے علاوہ ملی شاعری پر مشتمل ہے۔ انہوں نے ہر ایک جزو کا مختصر تعارف کروایا اور کورس کے شرکاء سے اپیل کی کہ وہ پورے عزم کے ساتھ کورس کا آغاز کریں تاکہ دعوتِ قرآنی کا یہ حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

اس کے بعد شرکاء کا مختصر تعارف ہوا۔ ماشاء اللہ اس کورس میں ایک سے زائد فرموں کے مینجنگ ڈائریکٹرز (کاروباری طبقے سے)' ڈاکٹرز اور انجینئرز (پروفیشنل گروپ سے)' ریٹائرڈ پولیس افسران اور محکمہ دفاع کے ریٹائرڈ افسران کے علاوہ دوسرے افراد کی موجودگی یہ ثابت کر رہی ہے کہ انجمن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے معاشرے کے فہیم عناصر نے بھرپور response دیا ہے۔ اس موقع پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ملک بھر میں اب تک کی قائم شدہ اکیڈمیوں اور قرآن کالج سے استفادہ کے نتیجے میں پچاس سے زائد اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جن میں ڈاکٹرز' انجینئرز اور دوسرے شعبوں سے منسلک افراد شامل ہیں مدرسینِ قرآن کی حیثیت سے قرآن کے ذریعے ایمان کی اس دعوت کو عام کرنے میں مصروف ہیں' جس کے نتیجے میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے مسنون بیعت کی بنیاد پر تنظیم اسلامی اور نظام خلافت کے شعور اور برکات کو عام کرنے کے لئے تحریک خلافت پاکستان کا قیام عمل میں آچکا ہے جس میں دو ہزار سے زائد افراد شامل ہیں۔ اور یہ سب اللہ

تبارک و تعالیٰ کے اس انعام کا نتیجہ ہے جو اس پوری تحریک کو ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی رہنمائی کی صورت میں میسر ہے۔ اور یہ ان نعمتوں میں سے ایک ہے جو ہمیں "وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا" کے مصداق اللہ جل شانہ کی جانب سے عطا ہوئی ہے۔ اللّٰھمّ زِد فزِد!! (بقلم محمد سمیع، کراچی)

ڈاکٹر اسرار احمد
امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان
کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل
اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہوگئی ہے ـــــ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے ماحصل، اور
- 'اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں' کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ـــــ!

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات، مع دیدہ زیب ٹائٹل کور ـــ قیمت فی نسخہ/۳۰

and in their mind. With these immensely valuable assets the Muslims should march ahead with the eloquent character of a Da'ee Ilalah and share the common heritage of science and technology from the seats of learning of Europe and America.

The Muslims have to work in both directions - learning what they are missing and transferring what they possess, the Guidance from our common Creator, Allah, the Merciful, the Sustainer. Our forefathers failed to do this job. Let us do it with utmost devotion and dedication which this cause demands and present a true model of Islam to the scientific and highly industrialized world of Europe and America. This is the only way through which we can obtain the benefits of the Modern Age and get rid of its vices. this is the Only way to make the Islam acceptable to the West as an alternate way of life and encounter the anti Islam propaganda which is currently echoing in the Western media. If Muslims fail to take this giant step, then only Allah knows the quantum of ignominy still lying ahead for them.

* * *

## قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکید کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگے ہیں۔ معلوم نہیں کس زمانہ میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف "شین قاف" درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں قرآن مجید ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ باوجودیکہ ہر مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر جان تک دینے کو تیار ہے، مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا۔ آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے کسی میں نہیں۔ افسوس ہے کہ یہ استعداد والی قوم برباد ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی
(بشکریہ افکار معلم لاہور)

(b) Secondly, they must establish democratic institutions in their respective countries and end the confrontation with their own people.

If the Muslim Ummah acts upon these two proposals, it can easily spare and allocate the required funds for R & D and the education of the Muslim masses within a few years time. If we can achieve this, only then will the 21st century be the century of Islam. The Muslims will then be the leaders of the post modern and post Bosnian world. They themselves will then emerge as the supranation (Millah) with a consolidated force and the resources of more than 50 Muslim countries, a population of about 1.5 billion people (by the turn of this century) and a giant common market of their own.

## Conclusion:

In fact the Modern Age is a blessing in disguise and a challenge to our ingenuity. It is the Muslim's lost heritage. We have to take it back and share its bounties with love and affection for those who now hold it. The Muslims must appreciate the enormous contribution which Europe and America have made to our common heritage during the last 400 years. Simultaneously, it is our obligation to tell them where and how they deviated from the path of righteousness. This was through no fault of their own but due to the incompetence of the Church to inspire and encourage the scientists and appreciate their efforts, rather than condemn them as blasphemists. This caused them to run away from religion, revolt against Church, and opened the road to secularism.

Now what Christianity could not provide, the Muslims have to bring to Europe and America. The Muslims in general and particularly those living in the West have to meet this challenge of the modern age with the Qur'an in their right hand, the banner of love and affection in the left, the thirst of knowledge and the good of mankind at heart

and must undertake this onerous task as a mission of their life, if they are really sincere to serve the Muslim Ummah and take it out of its present quagmire.

(v) This gigantic task requires a tremendous amount of manpower and financial resources. As regards, the manpower, the Muslim world has it even today. It is scattered all over the Muslim and non-Muslim world of Europe and America. That will never be a problem. The only thing we need are financial resources. Mr. Clinton has earmarked $70 billions dollars for research and Development for the next five years in the government sector alone. This shows the importance which the West is giving to R & D. The Muslims must give the equal emphasis, if not more. The Muslims must allocate at least 20 to 25 percent of their national income for Research and Development and the spread of education on mass level, if they are to secure the position as the "Best of the Nations" which Allah has assigned to them. It may appear to be too much but compared to the back-log, it is nothing if we can make it.

(vi) Securing such a huge fund will be a problem for Muslims countries in the present context of the world, when they are divided and not seeing eye to eye with each other. The position of securing foreign loans is equally tight and conditional. It would be available only with many disgusting and humiliating strings attached to it. As such it would be no good for the Muslim Ummah. Therefore, the only way through which such huge funds can be arranged or raised would be by cutting their defense budgets to the bare minimum i.e. only one percent or less of the G.N.P This would be possible only:

(a) If the Muslim world solemnly declares that they will resolve their inter-state issues and problems through arbitration among themselves.

people may try whole of their life and get nothing from their efforts. It was the blessing of Allah that some scientists, some discovers, some explorers achieved what they were trying whereas there were many who did not succeed despite their best efforts. It should be mad clear that Allah reveals the secrets that fit in the overall planning and control of this cosmos and reveals only what He wants to reveal.

"———— While they encompass nothing of His knowledge save what He will ————"

*(The Qur'an, 2 : 255)*

The Muslims must understand clearly that the campaign of learning science and technology and removing the fallacies of the thinking process of the West must go together. There is every possibility that Islam may turn many contemporary scientists to the fold of Allah, if they are convinced of their shortcomings, which are based on arrogance and ignorance of man's position on earth. This could have been accomplished by Christianity but it failed to deliver a perfect code of life to the European societies when they were transforming themselves into nation states and developing a secular attitude of life which has nothing to offer. Now the Muslims should do this job. Winning over the scientists form the secular world will be a great boon to the Muslim Ummah.

(iv) To achieve the desired objective, the Muslims have to inspire their youth, especially those who are living and studying in Europe and America, to undertake this as the paramount mission of their life. They will have to become prominent in the societies where they are living as effective Da'ees and brilliant students on their campuses, in their respective fields. Only then will they command respect wherever they will go and be able to do the aforesaid jobs with ease and with blessings from Allah whose favour will always be with them. The Muslim leadership and the political activists in the West, especially in America, should

(i) Muslims have neglected the pursuit of knowledge and scientific investigation for the last 500 years. They should do it now without further delay in right earnest. They should add the outcome of their own research to the edifice of Europe and America as these civilizations did on the foundation laid down by Muslims. Islam permits, rather exhorts, the Muslims to do this as an obligation from Allah. Whatever the West has added in these fields is an asset for mankind and the Muslims must inherit it by all means.

(ii) For this, we have to view the universe as the Creation of Allah and start thinking over its chemistry with trust in Him. If the Muslims start probing nature and its manifestation, Allah may pave the way for discoveries which even the West could not dream of so far. This is Allah's world. He may reward the Muslims in a way He likes best for us. Allah (SWT) loves the Allah conscious Muslims (*Muttaqeen*). Only then will Muslims excel in the art of science and technology. The Muslims have to create their own post-Modern age with stunning discoveries and inventions and it will be very easy for Allah to let us accomplish it.

(iii) The Muslims must, simultaneously, launch upon a campaign to pinpoint the fallacies of the thinking process of Europe and America, that what they have discovered so for as the laws of nature are the Taqdeer (design) of the objects, along which they were created by Allah. That they can only discover those laws but not make them. The entire credit must go to the Supreme authority of Allah who created the objects and destined them to do or follow what they are meticulously doing to the service of human beings.

> "(Moses) Said (to Pharaoh): Our Lord is He Who gave unto everything its nature, then guided it aright."
>
> *(The Qur'an, 20 : 50)*

Furthermore, whatever the West has discovered so far, was through the infinite mercy of Allah, without which

Europe within a few months time. The Ottoman Empire refused to build big ships for the safety of its Gulf coast. As a result, the Britishers came and captured Iraq, Yemen and other areas of the region in the South. European navy dominated the Indian Ocean, the Atlantic Ocean and the Mediterranean Sea, thereby surrounding the Caliphate from all sea approaches. No one could forestall the downfall of the ottoman Empire. It was inevitable. The ultimate fall came in 1924.

Muslims did little or nothing to obtain the knowledge of science and technology from Europe as the lost wisdom of their ancestors and add glorious chapters to it by dint of their labor, struggle, researches, discoveries as Europe did in the four centuries following the Renaissance. Muslims simply became camp-followers of Europe and lost everything they once had land, honor, prestige, resources and the future too.

## (B) WHAT MUSLIMS SHOULD DO NOW

The Muslims of today have a great responsibility on their shoulders. The World is not going to wait for them. progress, scientific inventions and far reaching discoveries will ever continue to stun the world. In the midst of strong competition and ever-increasing interference in the internal affairs of the Muslim world by the Euro-American Powers, we have to carve a way out of this difficult and tense situation. We have to take some strong and firm steps and change our thinking process with open mindedness. The Modern Age is neither all bad nor all good. So we have to pick what is good and discard what is bad. We must be very selective. The Modern Age is a reality. Let us have a realistic approach in accepting what it offers to us. Muslims in fact are going to face a Post-Modern-Age era by the end of this or early next century. We must take the following steps to rejuvenate the fate of the Muslim Ummah in the shortest possible time.

## Contribution of Muslims to Knowledge:

This repeated invitation by Allah in the Qur'an exhorted Muslims to make nature and its manifestation topics of their study and contemplation. It is the blessing of Allah that He made this cosmos for us and invited mankind to discover the secrets of each and every object that it contains. Muslims undertook this onerous task and mad very important contributions to human civilization from the seventh to the fifteenth century A.D. in different fields of life through scientific probes and experiments. Muslims provided the edifice on which Europe made its glorious scientific inventions and discoveries later on.

## The Failure of Muslims:

Muslim kings, rulers, scholars and men of literature should have continued the pursuit of knowledge and discoveries but they neglected this task altogether. As a result they lost ground to the rising European powers. At the very best, Muslims could have studied the reasons and the secrets of European progress and their conquest after conquest of the Muslim world but they did nothing. The cause of Europe's dominance in Asia and Africa was nothing but the educational, scientific, technical and military superiority which Muslims failed to realize and achieve in their best interest. Muslim leadership everywhere in the world failed to grasp the two root causes of their downfall.

(i) The neglect of scientific research, educational and industrial development on a continuous basis;
(ii) The neglect of Islam as a way of life in the body politic throughout the Muslim world.

Imam Shamil in Russia was still fighting with swords and spears When peter learned the technique of automatic weapons from Europe, established armament factories in his country and totally defeated and annihilated the movement of Imam Shamil in Central Asia, Caucasia and Eastern

"See ye not how Allah had made serviceable (harnessed) unto you whatsoever is in the skies and whatsoever is in the earth and had loaded you with his favors both without and within? Yet of mankind is he disputes concerning Allah, without knowledge or guidance or a Scripture giving light."

*(The Qur'an. 31 : 20)*

Similarly the Verses 190 and 191 of Al-Imran invite everyone of us to ponder over the skies and earth and the change of night and day.

"Lo! In the creation of the heavens and the earth and (in) the difference of night and day are tokens (of His sovereignty) for men of understanding."

"Those who remember Allah, standing, sitting and reclining and consider the creation of the heavens and the earth, (and say): Our Lord! Thou created not this in vain. Glory be to Thee! Preserve us from the doom of fire."

*(The Qur'an. 3 : 190-191)*

In Surah Al-Ghashia, Allah (SWT) isinviting the attention of humans to think over the chemistry of the objects created by Him, giving a few instances to ponder upon.

"Will they not regard the camels how they are created?
And the heaven, how it is raised?
And the hills how they are set up?
And the earth how it is spread?"

*(The Qur'an. 88 : 17/20)*

Whoever responds to this call from the Creator and contemplates, will conclude that Allah has not created this universe in vain. This is an open invitation to men and women to think over the objects of nature and find out their contents, analyze the build up o their nature and discover the regulatory rules which control each of them.

The Sum total effect of these events and discoveries generated the Renaissance in Europe. It augmented the pursuit of knowledge, scientific discoveries and inventions in Europe based on the accumulated knowledge, the scientific method of experiments and the contributions which Muslims made in different fields—math, physics, chemistry, astrology, geography, medicine, etc., in their prime in Spain and elsewhere in the Muslim world. Europe got the ready-made base, the method of scientific investigation and the team of scholars from the Muslim world and launched upon its campaign towards the pursuit of knowledge and scientific experiments and stunned the world with its inventions and discoveries in subsequent centuries. The western countries reaped the harvest of their scientific efforts in the 17th, 18th, and 19th centuries as pointed out earlier.

Historically, it was the Muslims who were the pioneers in these fields and should, therefore, have continued development in each field of knowledge. By virtue of that they should have been the bonafide recipients to reap this crop, since they have been the ones who did the basic work of very fundamental nature in the field of knowledge and science through constant experiments and research.

## Contribution of Islam to the Modern Age:

Before the advent of Islam, the inanimate objects of nature, the sun, the moon, the wind, the river, the mountains, the rain, the trees and so on were worshipped by man and hence he could not dare to look towards them from a probing perspective and think about their chemistry. Islam declares that the entire universe and what it contains is the creation of God and He has harnessed them for man to explore and utilize. He invites every individual human being to think over every object of nature. They are not the objects of worship but the manifestation of Allah's bounties that have been harnessed for the service of man. Allah declares:

modern man, selfish, irresponsible and reckless. As such, they filled the earth, the abode of man, with disorder, exploitation, bloodshed, chaos and confusion. They feel that they are accountable to none and hence both individuals and nations very often found behave in a reckless and irresponsible manner.

# THE ROLE OF MUSLIMS BEFORE AND AFTER THE MODERN AGE

## (A) BEFORE THE ADVENT OF THE MODERN AGE

The Modern Age started with the Renaissance in Europe. Certain important events took place between the year 1450 and 1500 A.D. which changed the course of history. They were as follows:

i) The fall of Constantinapole to the Turks in 1453;
ii) The fall of Muslims in Spain in 1492 and migration of scholars to Europe;
iii) The discovery of America by Columbus by the end of the 15th century which brought an immense amount of prosperity to the west;
iv) The discovery of a new trade route to India in 1499 via the Cape of Good Hope;
v) The invention of printing press in 1455 by Gutenburg;
vi) The publication of 'The Prince' by Machiavelli in 1493. [It promoted the concept of Nation States and nationalism in its most brutal form. Nationalism became the greatest curse for human society. It is the mother of many vices and tyrannies which are attributed as the evils of the modern age. Its effects are ever-increasing. The process of fragmentation of human society on the basis of race, color, culture and language is causing untold damage to the unity of mankind one god, one nation and one system of life].

## 6. The Theory of Evolution:

The materialistic and secular attitude of life was further strengthened by Darwin (1842 - 1882) and his theory of evolution. He explored the biological world and its natural laws and concluded that man came to his present shape and form through an evolutionary process. He was the descendent of an ape and as such he was not the creation of God. He introduced the concept of the survival of the fittest which he observed in the biological world and placed an instrument of oppression in the hands of the Western colonial powers to subjugate the poor countries of Asia, Africa and Latin America one after the other. This produced the worst type of human exploitation. The era of colonialism might have come to an end but the game of exploitation is still going on unabated one form or the other in various guises.

## The Result:

These scientific researches, discoveries and conclusions changed the very genesis of power of the Western nations. The criteria of power and stability were now scientific inventions, pursuit of knowledge, continuing research and development, industrial large scale production, control over sea routes through shipping power, automatic and long range weapons on land, sea and air with accurate shooting along with developed market based economy, democratic framework, human rights security and political stability at home.

Steady progress in these fields brought prosperity to the people of the West and stability to their governments through industrial development at home and economic exploitation of their colonies abroad. But it was at the cost of discarding their Creator, God, and making worldly life the end of all things. They advocate that there is no life Hereafter. It has rendered the people of the west, the

with mathematical accuracy. When, through ages, the regulatory laws of nature explained the physical phenomena that affect the world in terms of mathematical calculations and formulae, modern man replaced God by natural laws or the so-called mother nature.

This approach gradually fractured the world of beliefs and conviction and shattered the myth of Christianity as religion of God. Christainty failed to meet the challenges of the Industrial Era and the growing demands of nation states. It had only some doctrines and dogmas to offer and not a perfect code of life which could guide their destiny in every walk of life. In the wake of the failure of Christianity to meet the genuine needs and challenges to humans and societies and understanding the scientific reasoning of the age, the modern man started thinking and believing that events occur due to natural causes and material setbacks and not due to supernatural causes. Hence there was no need of God or any metaphysical world.

## 5. Material and Secular Approach:

The scientific interpretation of the physical laws of nature makes man secular and materialistic in his approach to life and its problems. This turns religion into a personal affairs between God and an individual, which very often leads to no religion at all. This secularism became the order and fashion of the day. Every thing was interpretated and judged in terms of material gains and worldly interest alone. The entire pattern of life of modern man in Western society changed. He became the symbol of self-centered epicurism, striving only to maximize his personal pleasure, gains and comfort. Nations, constituted of such individuals, started the game of exploitation all around the world for the benefit of their people in order to raise their standard of living on a continuous basis. As a result, they filled the earth with bloodshed, oppression and tyranny.

## 1. Knowledge and Technical Know-how:

Accumulated knowledge of the universe and of man himself through constant investigation, research, experiments, discoveries and understanding of the laws, the principles and the trajectories on which this cosmos, including our little earth, is thriving and humans are pulsating. Through constant endeavours man has been able to discover many underlying secrets of nature. [However, there are still innumerable objects lying unseen and unknown high above the sky, deep under the sea and within the fragile human frame, challenging the dauntless ingenuity of man to come forward and explore them].

## 2. Discoveries:

The west achieved this feat of performance through scientific research/experiments, studies and developments in every field of knowledge–space, astronomy, physics, chemistry, botany, cultural, educational, industrial, economic, politics, human/international relations and geographical phenomena, etc,. Constant discoveries in different fields are the backbone of the Modern Age.

## 3. Industrial Revolution:

Constant developments in the field of technology, means of industrial production, transportation and communication have brought the world from the stage of home manufacturing to the stage of large scale factory production, from the age of camel-ride to supersonic and space-shuttle era, squeezing the world practically into an 186+nations' apartment building.

## 4. Scientific Analysis of Physical Laws and Their Effect:

Discovering and establishing, since the time of Sir Isaac Newton (1642-1727), the laws which regulate the universe

# MUSLIMS AND THE MODERN AGE

*Shamim A Siddiqi*
*(New York)*

The age through which the Muslims are passing is the climax of the modern age. It has reached its zenith. It is fast heading towards an era of mega-nations or supranations with an abundance of economic resources, political power and military might in each group of nations and in the name of developing common markets. It will generate some very far-reaching effects on the underdeveloped nations of Asia, Africa and Latin America. It may open an era of neo-colonialism early in the 21st century. It does not augur well for the Muslims who predominantly inhabit these areas and have sustained the onslaughts of the developed nations of Europe and America for the last 200 years.

In fact, Muslims are facing a great civilization which is based on a solid edifice and values different from their own. Its upholders are fostering it as their cherished goal and trying to engulf this earth, every country and every people, with the so-called "blessings of modernism". Let us examine the edifice, the characteristics and the structure of the modern age or the western civilization. This will enable us to grasp the gravity of the situation, understand the depth of the enormous challenges which Muslims are facing and envision the way to confront, counter-act, overcome and defeat nefarious designs. This exercise will also enable us to understand the good and bad of it, to pinpoint what to take as a gift of the modern age. what to reject and what its predominant inherent vices are. We have to make a judicious examination of what this age contains for mankind in both directions.

The following constitute the edifice of the Modern Age:

ورلڈ اسلامک فورم کا ترجمان

ماہنامہ

# الشریعۃ

گوجرانوالہ
لندن

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

زیر ادارت

ابو عمار زاہد الراشدی

## اہداف و مقاصد

- اسلام کے عادلانہ نظام کا تعارف۔
- نفاذ اسلام کے خلاف کام کرنیوالی لابیوں اور ان کی سرگرمیوں کی نقاب کشائی۔
- علماء کرام، طلبہ اور دینی کارکنوں کی فکری اور علمی تربیت۔
- دینی حلقوں کے درمیان رابطہ و تعاون اور فکری و عملی ہم آہنگی کا فروغ۔

سالانہ زر خریداری:۔ ۱۰۰ روپے، بیرونی ممالک سے:۔ ۱۰ برطانوی پونڈ

یکے از مطبوعات

الشریعۃ اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

(پوسٹ بکس ۳۳۱) فون:۔ ۲۱۹۶۶۳ - ۰۴۳۱